مارچ ۱۹۹۰ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

اشاعتِ خصوصی ۔ مشتمل بر ۔ نقضِ غزل (۲)

★ اجتماعِ ماچھی گوٹھ اور اُس کے بعد

اور مولانا مودودی مرحوم کا تصورِ تحریک و جماعت

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

تازہ، خالص اور توانائی سے بھرپور

پاک پیئور®

مکھن اور دیسی گھی

یونائیٹڈ ڈیری فارمز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
(قائم شدہ ۱۸۸۰) لاہور
۲۲- لیاقت علی پاک ۴- بیڈن روڈ- لاہور، پاکستان
فون: ۲۲۱۵۹۸ - ۳۱۲۷۵۰

SV ADVERTISING

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ إِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۳۹
شمارہ: ۳
شعبان المعظم ۱۴۱۰ھ
مارچ ۱۹۹۰ء
فی شمارہ ۵/-
سالانہ زرتعاون ۵۰/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27828
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khuddam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶- کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل، نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی۔ فون: ۲۱۶۵۸۶

پرنٹر: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تذکرہ و تبصرہ

اسرار احمد

اِس بات کی اطلاع تو قارئینِ کرام کو گزشتہ شمارے کے 'عرضِ احوال' کے ذریعے ہو ہی چکی ہے کہ جنوری میں راقم شدید علیل ہو گیا تھا- عزیزم عاکف سعید نے علالت کا آغاز جنوری کے دوسرے ہفتے سے تحریر کیا' واقعہ یہ ہے کہ تکلیف کا آغاز تو پہلے ہی ہفتے سے ہو گیا تھا' شدت دوسرے ہفتے میں شروع ہوئی- اور مسلسل دو ہفتے جاری رہی' اواخر جنوری میں کراچی کا ایک سفر طے تھا' اُس کے پیشِ نظر راقم نے پوری پابندی کے ساتھ اِس طرح جم کر علاج کرایا کہ اِس سے قبل کبھی نہ کرایا تھا- اِس سے بحمد اللہ کسی قدر افاقہ ہو گیا- چنانچہ کراچی کا چار روزہ سفر اختیار کر لیا- لیکن اللہ کی شان کہ وہاں جاتے ہی تکلیف بڑھ گئی- چنانچہ جیسے تیسے دونوں عوامی پروگرام تو نبھائے' لیکن متعدد بزرگوں اور احباب سے ملنے کی خواہش دل ہی میں رہ گئی- جس کے لئے اس بار اضافی وقت لے کر گیا تھا' صرف شیخ سلطان احمد صاحب اور مولانا محمد طاسین صاحب سے ملاقات کے لئے حاضری دے سکا- کراچی سے واپسی کے بعد بھی دو ہفتے پھر شدید تکلیف میں گزرے- ہفتہ عشرہ قبل پھر کسی قدر افاقہ کی صورت نظر آئی تو قلم ہاتھ میں لیا ----- اور اوّلاً "اجتماعِ ماچھی گوٹھ کی بقیہ رُوداد" تحریر کرکے 'نقضِ غزل' کی تکمیل کر لی- اور اِس سے فارغ ہوتے ہی اِس پورے معاملے پر اپنا 'تبصرہ' اور 'تذکرہ' ----- یا بالفاظِ دیگر محاکمہ' سپردِ قلم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں- ----- اَلسَّعْیُ مِنَّا وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰهِ ----- پر اعتماد اور توکّل کے علاوہ اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے خصوصی فضل و کرم سے' اس معاملے کی خصوصی اہمیت

اور نزاکت کے پیشِ نظر' اپنے اِن احکام پر عمل کرنے کی خاص الخاص توفیق عطا فرمائے :

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ج (النساء: ۱۳۵)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ط اِعْدِلُوْا ج هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○ (المائدہ: ۸)

اِس سے قبل مناسب نظر آتا ہے کہ اپنی علالت کی نوعیت کے بارے میں کچھ عرض کر دوں اس لئے کہ خطوط یا فون کے ذریعے اس سلسلے میں استفسار ہوتا رہتا ہے اور ہر بار تفصیل ممکن نہیں ہوتی۔

مجھے اس بار جو تکلیف ہوئی اور اب سے چند سال قبل جو شدید عارضہ ہوا تھا' دونوں کا تعلق ریڑھ کی ہڈی سے ہے۔ اللہ تعالےٰ کی توفیق و تیسیر سے میں نے لگ بھگ بیس سال تک مسلسل جس ذوق و شوق' جوش و خروش اور دُھن اور لگن کے ساتھ قرآن حکیم کا درس دیا' اس سے یقیناً جہاں دوسروں کو فائدہ پہنچا وہاں خود میرے ذہن و قلب کو بھی جِلا حاصل ہوئی'------ اور بحمد اللہ رُوح کو بھی تقویت اور اطمینان حاصل ہوا' لیکن طبعی طور پر جسم و جان پر کچھ منفی اثرات بھی مرتّب ہوئے۔ چنانچہ ریڑھ کی ہڈی کے بالائی اور زیریں دونوں حصّے متأثر ہو گئے۔ اِس لئے کہ دو دو ڈھائی ڈھائی (بلکہ بعض اوقات تین تین) گھنٹے تک مسلسل فرش یا چوکی پر ایک ہی نشست پر قدرے آگے جُھک کر بیٹھنے سے ریڑھ کی ہڈی کے منکوں اور ان کے مابین Discs میں شکست و ریخت پیدا ہو گئی۔

اس سے قبل جو تکلیف ہوئی تھی اس کا تعلق ریڑھ کی ہڈی کے زیریں حصّے سے تھا' چنانچہ Lumbo - Sacral Region کی ہڈیوں کی خرابی کے باعث کمر کے نچلے حصّے میں کبھی دائیں جانب اور کبھی بائیں جانب شدید درد ہو جانے کا

سلسلہ تو کئی سال سے جاری تھا' لگ بھگ تین سال قبل دائیں کولھے اور ٹانگ میں ایسا شدید درد اُٹھا کہ الامان و الحفیظ! (چنانچہ کراچی سے لاہور کا ہوائی سفر بھی اسٹریچر پر کرنا پڑا تھا)- گزشتہ سال ڈٹرائٹ (امریکہ) میں جو مفصّل طبّی معائنہ و تفتیش برادرم ڈاکٹر غلام مرتضیٰ اعوان صاحب نے کروائی اس سے بھی معلوم ہوا کہ ہڈی کا نقص نہ صرف دو طرفہ ہے بلکہ دو مقامات پر ہے- (یہی وجہ ہے کہ راقم کے پاؤں کی چھوٹی انگلیاں بالکل سُن ہیں' دائیں جانب کی زیادہ' اور بائیں کی کسی قدر کم!)

اِس بار جو تکلیف ہوئی اس کا تعلق Cervical Region یعنی گردن اور شانوں کے اتصال کے قریب کی ہڈیوں سے ہے- اور اِس کا ظاہری سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ اواخرِ دسمبر میں ایک ہفتہ تقریباً سات گھنٹے روزانہ بولنا ہوا- اور اِس بار چونکہ بعض کتب کا مطالعہ کرانا تھا لہٰذا خاصا وقت قدرے جُھک کر عبارتوں کو پڑھنے میں لگا ------ چنانچہ اِس بار بائیں شانے اور بازُو میں شدید درد رہا ------ جو تاحال ادویات کے ذریعے ہی کنٹرول میں ہے ------ اور اِن میں ذرا سی کمی سے عود کر آتا ہے!! ------ جملہ رُفقاء و احباب ------ اور قارئینِ 'میثاق' سے استدعا ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالےٰ جب تک اس دنیا میں رکھے صحت اور عافیت نصیب فرمائے رکھے تاکہ جو حقیر سی خدمت اُس کے دین کی' اسیؐ کے فضل و کرم سے بن آ رہی ہے' جاری رہے ------ باقی اِس بات پر' بحمد اللہ' یقینِ واثق حاصل ہے کہ تکلیف بھی اُس کے اذن ہی سے آتی ہے[1]' اور وہ بھی بندۂ مومن کے حق میں خیر ہی کا ذریعہ ہوتی ہے ------ تاہم بر بنائے طبعِ بشری عاجزانہ درخواست ہے کہ ؎

" ور حسابم را تو بینی نا گزیر - از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر! "

کے مصداق اگر میری سابقہ و حالیہ کوتاہیوں کا کفارہ دنیا ہی میں مقصود ہے

---

[1] مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ○ (التغابن: ۱۱)

------تو اللہ تعالےٰ صبر و تحمّل بھی ارزانی فرمائے !! ----ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد!!

لاہور کے معروف آرتھوپیڈک سرجن ڈاکٹر عبد الرّزاق قاضی صاحب پہلے بھی ہمیشہ بہت محبّت اور احترام کے ساتھ پوری توجّہ سے علاج کرتے رہے ہیں۔ لیکن اِس بار تو مجھے ان کا بہت ہی وقت لینا پڑا - اور کم و بیش تین ہفتے تو تقریباً بلاناغہ روزانہ ایک گھنٹہ بجلی کی ایک خاص نوعیت کی 'سنکائی' (Diathermy) اور عضلات اور عصبات کے تشنّج کو دُور کرنے کے لئے 'کھنچائی' (Traction) کے خاصے ناخوشگوار عمل میں صرف ہوتا ہے' اور اُن کا کرم یہ کہ یہ سب کام کسی نائب یا معاون کو نہیں کرنے دیتے بلکہ خود کرتے ہیں' اور اِن دونوں اعمال کے دوران احتراماً مسلسل میرے پاس بیٹھے رہتے ہیں حالانکہ مؤخّر الذکر عمل کے دوران تو میں اِس طرح مقیّد ہوتا ہوں کہ گفتگو تک نہیں ہو سکتی!------ اپنی جیب سے ادویات پر جو خرچ انہوں نے کیا وہ اس پر مستزاد ہے------ یہ ساری تفصیل اِس لئے لکھ دی ہے کہ احباب و مخلصین اُن کے' اور ان کے اہل و عیال کے حق میں دعاءِ خیر کریں!

'نقضِ غزل' کی بارِ دگر اشاعت' اور اِس کی تکمیل کے عزم پر ہمیں حسبِ توقّع بعض خطوط تہدید و تنبیہ بلکہ عتاب و عناد پر مشتمل بھی موصول ہوئے' اور بعض محبّت آمیز گِلوں شکووں پر مبنی بھی' یہاں تک کہ دسمبر کی ریفریشر کورس والی تربیت گاہ کے موقع پر بعض رفقاء و احباب نے بھی شدید تنقید کی' اور ایک محترم بہن (ملک نصر اللہ خاں عزیز مرحوم کی صاحب زادی) نے تو محبّت بھرے انداز میں یہ تنبیہ بھی کی کہ "کیا عجب کہ آپ کی علالت کا اصل سبب یہی ہو!"------ بنابریں سب سے پہلے ہم اِسی بات کی وضاحت کئے دیتے ہیں کہ اِس سے ہماری غرض کیا ہے------ اور بعض حضرات کے بقول: "اِس سے ہمیں کتنے نفلوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے؟"

ہمارے نظریات و افکار سے واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے نزدیک :

(ا) اِسلام کے موعودہ عالمی غلبے کے ضمن میں مشیّتِ ایزدی میں ارضِ پاک و ہند کو خصوصی اہمیت حاصل ہے' یہی وجہ ہے کہ (ا) گزشتہ چار صدیوں کے دوران تجدید دین کا سارا سلسلہ اسی خطّے سے متعلّق رہا- چنانچہ سوائے محمد ابن عبد الوہابؒ کی قدرے یک رخی شخصیّت کے حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ ایسی عظیم شخصیّتیں' اور تحریک شہیدینؒ جیسی عظیم تحریکِ جہاد سب اِسی خطّے میں رُونما ہوئیں! (ب) بیسویں صدی عیسوی کے درمیانی حصّے میں آزادی کی جو تحریکیں مختلف مسلمان ملکوں میں چلیں' اُن میں سے بھی صرف تحریکِ پاکستان میں اسلامی جذبے کو اپیل کیا گیا- چنانچہ پورے کرۂ ارضی پر صرف پاکستان ہی ایک ایسا ملک ہے جو اسلام کے نام پر بنا' اور اِس کے سوا کوئی اور جڑ بنیاد نہیں رکھتا-

(ج) اِسی طرح چودھویں صدی ہجری کے مابین جتنے اعاظم رجال اِس خطّے میں پیدا ہوئے کہیں اور نہیں ہوئے' چنانچہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ' علاّمہ محمد اقبال' مولانا ابوالکلام آزاد' مولانا محمد الیاس' اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی (رحمہم اللہ) کے مقابلے میں بیرونِ ہند صرف ایک نام لیا جا سکتا ہے ------ یعنی شیخ حسن البنّا شہیدؒ کا!

(۲) جملہ دینی مدارس اور اداروں کی خدمات اپنی جگہ' حضرات علماء کرام اور اصحابِ علم و فضل کی انفرادی مساعی کی اہمیّت بھی مسلّم' علماء کی بے شمار جمعیتوں کی گھن گرج اور اثر و نفوذ بھی اپنے مقام پر' ------ لیکن ہمارے نزدیک برّ عظیم پاک و ہند میں اصل احیائی تحریکیں دو ہی ہیں: ایک جماعتِ تبلیغی' جس میں سارا زور عوامی سطح پر تجدیدِ ایمان اور انفرادی اصلاح پر ہے ------ اور "فَکَّ کُلِّ نِظَامٍ" (شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا نعرۂ مستانہ) کا نام لیتا بھی اس کے نزدیک خلافِ مصلحت ہے' ------ اور دوسری تحریک جماعتِ اسلامی کی ہے' جس کا آغاز عہدِ حاضر کی صحیح ترین اور جامع ترین تحریک اقامتِ دین کی حیثیت سے ٹھیٹھ انقلابی رنگ میں ہوا تھا ------ لیکن جو 'بدقسمتی' سے پاکستان میں ایک

خالص سیاسی جماعت کی صورت اختیار کر گئی (اگرچہ اس صحرائے تیہ کی چالیس سالہ بادیہ پیمائی سے نہ صرف یہ کہ تاحال اُس کے ہاتھ پلّے کچھ نہیں پڑا بلکہ روز بروز ع "پر شب کی منّتوں نے تو کھو دی رہی سہی!" کے مصداق عزّت و آبرو کا دھیلا ہوتا چلا جا رہا ہے ------ اور اِس طرح گویا "اسلاف کی عزّت کے کفن" بھی سرِ عام بک رہے ہیں![1])

(۳) متذکرہ بالا 'بدقسمتی' کے اسباب کی صحیح صحیح تعیین تحریکِ تجدید و احیائے دین اور سعی و جہدِ اقامتِ دین کے مستقبل کے لئے لازمی و لابدی ہے ------ تاکہ واضح طور پر متعیّن کیا جا سکے کہ اِس عظیم قافلے کو کب، کہاں، کیسے اور کیا حادثہ پیش آیا ------ تاکہ جو غلطی ہو گئی ہو اُس کا تدارک کیا جا سکے، جو کمی رہ گئی ہو اُس کی تلافی کی جا سکے، اور جو زیادتی ہو گئی ہو اس سے رجوع کیا جا سکے! ------ ورنہ شدید اندیشہ ہے کہ ایک مبہم سی مایوسی اِس قافلے کے بچے کھچے رہ نوردوں پر مسلّط ہو جائے گی، جذبے اور ولولے بالکل سرد پڑ جائیں گے اور کیا عجب کہ اسلام کے مستقبل اور اِس کے احیاء کے امکان کے بارے میں ایسی شدید بد دلی اور گہری مایوسی پیدا ہو جائے کہ ایک طویل عرصے کے لئے ع ـــ "اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا!" کا سماں بندھ جائے! ------ جب کہ ہمارے نزدیک شخصیّتوں اور تنظیموں سے بالا تر سطح پر اِسی تحریک کے تسلسل کو برقرار رکھنا ہر باشعور مسلمان کے دین و ایمان کا بنیادی تقاضا ہے! اور اِس سلسلہ میں، بحمد اللہ، ہمیں بعض اہم اور اساسی حقائق کا شعور و ادراک بہت پہلے ہو گیا تھا۔ چنانچہ "امّتِ مسلمہ کا عروج و زوال اور موجودہ احیائی مساعی کا جائزہ" نامی تحریر میں جو ابتداءً "میثاق" بابت اکتوبر نومبر ۱۹۷۴ء میں (گویا تنظیم اسلامی کے باضابطہ قیام سے لگ بھگ چھ ماہ قبل) شائع ہوئی تھی حسبِ ذیل صراحت موجود ہے:-

"اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور ملت اسلامی کی تجدید کا یہ کام دس بیس برس میں

---

[1] عرشی بھوپالی کے دلدوز اشعار ہیں ۔

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر - تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیئے
نئی تہذیب کی بے روح بہاروں کے عوض - اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے!

مکمل ہونے والا نہیں ہے بلکہ "لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" کے مصداق درجہ بدرجہ بہت سے مراتب و مراحل سے گزر کر ہی پایۂ تکمیل کو پہنچے گا' لہٰذا اس ارتقائی عمل کا ہر درجہ اپنی جگہ اہمیّت کا حامل ہے اور چاہے بعد کے مراحل سے گزر کر پہلوں کا کام بہت حقیر بلکہ کسی قدر غلط بھی نظر آئے اپنے اپنے دور کے اعتبار سے اس کی اہمیت و وقعت سے بالکلیہ انکار ممکن نہیں - تیسرے یہ کہ اس ہمہ گیر تجدیدی جدّوجہد میں اگرچہ افراد کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے تاہم جماعتوں اور تنظیموں کے مقابلے میں کم تر ہے - پھر جماعتیں بھی تحریکوں کی وسعت میں گم ہو جاتی ہیں اور بالآخر تمام تحریکیں بھی اُس وسیع احیائی عمل کی پہنائیوں میں گم ہو جاتی ہیں جو ان سب کو محیط ہے"-

---

ہمیں خوب اندازہ ہے کہ ہماری یہ بات آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں ہے کہ تحریکِ اسلامی کے مستقبل کے لئے سابقہ غلطیوں کی صحیح صحیح اور بلا کم و کاست نشاندہی ضروری اور ناگزیر ہے لہٰذا اس کی مزید وضاحت کے لئے ہم ایک مثال کا سہارا لے رہے ہیں-

آپ ذرا ایک ایسی بہت بڑی مشین کا تصوّر کیجئے جس کے صرف دو چھوٹے چھوٹے پرزے خراب ہو گئے ہوں' دو کا عدد ہم نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے' ورنہ ہماری تمثیل کے لئے تو ایک پرزے کا ذکر بھی کفایت کرتا ہے - اِس لئے کہ صرف ایک چھوٹے سے پرزے ہی کی خرابی سے کروڑوں روپے کی پوری مشین کھڑی ہو جائے گی ------ اور اگر اِس پرزے کی صحیح صحیح نشاندہی کر کے اُسے درست یا تبدیل نہ کر دیا جائے تو یا تو پوری مشین کباڑ خانے میں جائے گی یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اُس کے مختلف اجزاء کسی دوسری جگہ اضافی پُرزوں (Spare Parts) کی حیثیت سے استعمال ہوں گے! ------ بالکل یہی معاملہ ایک تحریک کا ہوتا ہے کہ اِس میں جہاں اور جو غلطی ہو گئی ہو اس کی صحیح صحیح تشخیص نہ ہو سکے تو ہو سکتا ہے کہ تحریک کی ناکامی کے باعث اس کے کارکن اور وابستگان اس کے جملہ تصوّرات و نظریات اور کُل صُغریٰ کبریٰ ہی کو غلط سمجھ

بیٹھیں اور تحریک کا سارا کیا دھرا اکارت چلا جائے (ملاحظہ ہوں فیضؔ کے اشعار مشمولہ 'نقشِ غزل' صفحہ ۸۵) اور پھر کوئی نیا آغاز ع "ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت" کے مصداق بالکل ہی نئے سرے سے کرنا پڑے - اور "لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ" کی ارتقائی صورت پیدا نہ ہو سکے!

کاش کہ ہمارے دوست احباب 'اور سابقہ و حالیہ رفقاء اور بزرگ اِس بات کو سمجھ لیں کہ مولانا مودودی مرحوم یا جماعتِ اسلامی کے ماضی و حال کے بارے میں کچھ لکھنے کا سبب ع "چھیڑ خوباں سے چلی جائے اسدؔ" کے نوع کی تفریحِ طبع نہیں ہے 'بلکہ ہمارے متذکرہ بالا احساس کی شدّت ہے!

غالبؔ کے اِس شعر کے مصداق کہ ۔ "عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں - کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل اُٹھا!" یہ اسی شدّتِ احساس کا کرشمہ تھا کہ مجھ ایسے تصنیف و تالیف سے نابلدِ محض شخص کے قلم سے کُل ساڑھے چوبیس برس کی عمر میں سوا دو سو سے زائد صفحات پر مشتمل بیان 'صادر' ہو گیا' جس پر جو دوسری سندیں مجھے ملیں اُن سے قطعِ نظر 'سب سے بڑا خراجِ تحسین یکے از اکابرینِ جماعت' جناب سید اسعد گیلانی صاحب کے ان الفاظ کی صورت میں ملا جو موصوف نے اب سے سات آٹھ سال قبل رفیقِ مکرم قاضی عبدالقادر صاحب (کراچی) سے کہے تھے کہ: "میں یہ مان ہی نہیں سکتا کہ یہ بیان ڈاکٹر صاحب کا اپنا تحریر کردہ تھا' یہ تو اصل میں مولانا اصلاحی کا لکھا ہوا تھا جسے اُس وقت مصلحتاً ڈاکٹر صاحب سے منسوب کیا گیا!" اس جملے سے موصوف کی اپنی جس ذہنی اور مزاجی کیفیت کا سراغ ملتا ہے 'اُس سے قطعِ نظر گیلانی صاحب جیسے کہنہ مشق ادیب اور بیسیوں کتابوں کے مصنّف شخص کی جانب سے یہ بلاشبہ 'ہجوِ ملیح' کے برعکس 'مدحِ کریہہ' کی صورت میں ایک بہت بڑا Compliment ہے!

اِس بیان کے 'شانِ صدور' کے ضمن میں یہ واقعاتی حقائق بھی پیشِ نظر رہیں تو اچھا ہے ------ کہ راقم جب ۳۰ ستمبر ۵۶ء کو اوکاڑہ میں جائزہ کمیٹی سے ملاقات یا اس کے سامنے 'پیشی' کے لئے حاضر ہوا تو بالکل خالی ہاتھ تھا- اگرچہ ذہن میں خیالات کا

لاوا بُری طرح پک رہاتھا- میَں نے اپنے دُوسرے ساتھیوں (سیّد شیر محمد شاہ اور نور محمد قریشی وغیرہما) کو پہلے اندر بھیج دیا اور خود جس کمرے میں ملاقات ہو رہی تھی اُس کے باہر برآمدے میں بیٹھ کر اپنی گفتگو کے لئے خاکہ (SYnopsis) مرتّب کیا- حُسنِ اتفاق سے آج ہی اپنے فائل کو دیکھا تو اس میں اُن Notes کو محفوظ دیکھ کر میَں خود بھی متحیّر ہو گیا جو میں نے اُس وقت تیار کئے تھے-اِس کے بعد جب کمیٹی سے ملاقات ہوئی اور میں نے اپنے خیالات شرح و بسط سے پیش کئے تو اُن حضرات کی جانب سے یہ سر سری سی فرمائش ہوئی کہ: "کیا آپ اپنے ان خیالات کو قلمبند نہیں کر سکتے؟" جس پر میں نے جواب دیا: "کوشش کروں گا، لیکن ہے بہت مشکل!"
------ اس کے ٹھیک سترہ دن بعد ١٧/اکتوبر کو جب راقم نے لاہور میں اپنے بیان کا مسّودہ شیخ سلطان احمد صاحب کے ہاتھ میں تھمایا تو انہوں نے نہایت تحیّر کے عالم میں سوالیہ انداز میں خراجِ تحسین پیش فرمایا کہ: "کیا واقعتہً آپ نے یہ اِن ہی دنوں میں لکھّا ہے؟"

پھر میرے ساتھ وہ معاملہ کرنے کی بجائے کہ ؎ "وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من!" خدارا اِن حقائق پر بھی غور کیا جائے کہ:

(١) جماعت سے علیٰحدہ ہو کر نہ میَں نے کوئی بیان دیا، نہ پریس کانفرنس کی، نہ ہی اس بیان کو شائع کیا- حالانکہ ایکؔ جانب میرے پاس پیسوں کی اتنی تنگی تو کبھی بھی نہ تھی کہ یہ کتاب نہ چھپوا سکتا، ------ ٦٢ء تا ٦٥ء بھائیوں کے ساتھ کاروباری شراکت کے دور میں تو میَں بحمد اللہ گویا دولت میں کھیل رہا تھا! اور دوسریؔ جانب اِس نو عمری میں 'صاحبِ تصنیف' بننے کا شوق بھی دل میں گدگدی پیدا کر سکتا تھا ------ ان سب کے باوصف میں نے اُس کی اشاعت کو اُس وقت تک مؤخّر کئے رکھا جب تک یہ حتمی فیصلہ نہ کر لیا کہ اب اپنے بَل بوتے ہی پر کام کا آغاز کر دینا ہے اور اِسی فیصلہ کے تحت لاہور نقل مکانی کی! اِس لئے کہ میرے نزدیک کسی جدید تعمیر کے لئے تو ناگزیر 'تخریب' کا جواز رَومی کے اس شعر کے مصداق موجود ہے کہ ؎ "گفت رومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند! می نہ

دانی اوّل آں بنیاد را ویراں کنند! " لیکن تخریبِ محض یا تخریب برائے تخریب کو میں ہر گز جائز نہیں سمجھتا! اِس ضمن میں مولانا محمد منظور نعمانی کے ایک خط کے اقتباس کا عکس دیا جا رہا ہے' جو 'میثاق' کی اشاعت بابت نومبر ۷۶ء کے کوَر کے اندرونی جانب ٹائپ میں شائع ہوا تھا' اس کا آخری فقرہ لائق توجّہ ہے:

"..... ڈاکٹر صاحب کی کتاب میں نے بھی پڑھی، میرا خیال یہ ہے کہ جو کچھ بعد میں سامنے آیا اس کی پوری بنیاد آغاز ہی میں موجود تھی لیکن ہم اس کو اپنے ذہن کے مطابق سمجھتے اور ڈھالتے تھے، اسلام کی سربلندی کا نصب العین زیادہ چھان پھٹک اور کھود کرید کرنے نہیں دیتا تھا۔ اس کے باوجود کتاب بہت خوب ہے اور ۸۰-۱۰ سال تک اس کو روکے رکھنے کا ان کا عمل تو بہت ہی قابل داد اور لائق سبق آموزی ہے۔

(مولانا) محمد منظور نعمانی
مدیر مسئول ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ

(۲) ۷۲-۷۱ء میں رفیق مکرّم شیخ جمیل الرّحمٰن صاحب سے ربط ضبط قائم ہوا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے بڑی تحقیق و تفتیش اور عرق ریزی و جاں فشانی سے کام لے کر ایک پوری کتاب کا مواد اکٹھا کر لیا ہے جس سے جماعتِ اسلامی کے فِکر و عمل اور قول و فعل کا تضاد واقعات کے آئینے میں نمایاں ہو کر سامنے آجائے ------ لیکن میں نے ہر گز اُس کی اشاعت کی حوصلہ افزائی نہیں کی- اِس لئے کہ میرا پختہ خیال ہے کہ بات اصولی طور پر سامنے آنی چاہئے' اگر لوگ اسے نہیں مانتے تو خواہ کتنا ہی واقعاتی استشہاد کر لیا جائے اسے بھی ہر گز نہیں مانیں گے! ------ چنانچہ شیخ صاحب کی ساری محنت اکارت گئی اور جب اِس کی اشاعت کا سوال ہی باقی نہ رہا تو عدم توجّہی کے باعث پورا مسوّدہ ہی گم ہو گیا!

(۳) راقم کے مزاج اور افتاد کی سب سے نمایاں مثال یہ ہے کہ ۷۶-۷۵ء کے لگ بھگ جب مولانا سیّد وصی مظہر ندوی کا جماعت سے اخراج عمل میں آیا ------ تو انہوں نے بھی جماعت کے خلاف ایک پوری کتاب کا مسوّدہ تیار کر لیا جو اشاعت کے لئے پریس جانے ہی والا تھا کہ بات میرے علم میں آ گئی- اِس پر میں نے اُن سے عرض کیا کہ: " مولانا اگر تو آپ نے عزم فرمالیا ہے کہ اب خود داعی کی حیثیت سے سامنے آ کر اپنے طور پر تحریک کا آغاز کر دینا ہے تو بسم اللہ اس

کتاب کو ضرور شائع فرمائیں اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ مخالفتِ محض برائے مخالفت مقصود ہے تو میں اس کی اشاعت کو جائز نہیں سمجھتا!" (واضح رہے کہ اِس فقرے کے دوسرے الفاظ میں تو کمی بیشی یا تقدیم و تاخیر کا امکان موجود ہے' لفظ جائز مجھے قطعی اور حتمی طور پر یاد ہے!)- یہ اللہ تعالےٰ کے فضل اور مولانا کی طبعیت کی سلامتی کا مظہر ہے کہ انہوں نے راقم کی بات مان لی' اور کتاب کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا!! ع "پھر بھی ہم سے یہ گلہ ہے کہ وفادار نہیں؟"

الغرض' اپنی جملہ تحریروں اور کاوشوں سے راقم کا اصل مقصد تحریکِ تجدید و احیاء اسلام اور سعیٔ دعوت و اقامتِ دین کے تسلسل کا برقرار رکھنا ہے- ورنہ ہمیں نہ پہلے مولانا مودودی مرحوم سے کوئی ذاتی عداوت یا پرخاش تھی نہ اب جماعتِ اسلامی سے کوئی دشمنی یا عناد ہے' بلکہ جیسا کہ 'نقضِ غزل' میں بیان ہوا مولانا نے تو عین ماچھی گوٹھ میں اور وہ بھی اس وقت جب کہ میں تین گھنٹے تک جماعتِ اسلامی کی پالیسی پر جرح و تنقید کے بعد سٹیج سے اترا ہی تھا مجھ سے بالمشافہ فرمایا تھا: "آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے کتنی محبت ہے؟"------ پھر میرے جماعت سے علیٰحدہ ہونے کے بعد ایک بار جب مولانا منٹگمری آئے اور وہاں آزاد میڈیسن کمپنی کے مالک عبدالرحمٰن آزاد کے مکان پر مقیم تھے تو میرے بارے میں استفسار کرنے والے لوگوں سے مولانا نے فرمایا تھا:" مجھے تو وہ اپنے بیٹوں سے بھی بڑھ کر عزیز رہا ہے!"------ یہاں تک کہ ۷۶-۷۵ء کے آس پاس بھی جب بعض اسباب سے ہمارے مابین کشیدگی عروج پر تھی مولانا نے میرے بارے میں فرمایا:"اس شخص کے بارے میں مجھے یہ اطمینان ہے کہ وہ جہاں بھی رہے گا دین کا کام کرتا رہے گا!" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو میری تالیف "اسلام اور پاکستان" کا دیباچہ-)

رہی جماعتِ اسلامی' تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہم نے اگر اپنی نوجوانی کے دس قیمتی سال ۔ "یہ اور بات کہ تم پر نثار کر دی ہے- عزیز اپنی جوانی کسے نہیں ہوتی!" کے مصداق اس کے ساتھ براہ راست تنظیمی ربط کی صورت میں نذر کئے

------ تو اس سے علیحدگی کے بعد سے اس ساعت تک ثلث صدی کے طویل عرصے کے دوران بھی ہمیں کبھی ایک لمحے تک کے لئے بھی اس کے مقصد اور نصب العین سے اختلاف نہیں ہوا' اور ہم نے اپنی صوابدید کے مطابق اپنی عمرِ عزیز کا ایک ایک لمحہ' اور اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کا ایک ایک شمّہ اسی کی نذر کیا ہے! اور اسی کی قبولیت پر اپنی نجات کا دارومدار سمجھتے ہیں!

ہاں دو فکری 'بے اعتدالیاں' ہمیں اس تحریک کے اساسی نظریات میں نظر آئیں ------ جن میں سے ایک پر ہم نے کسی قدر مفصّل کلام کیا' اور دوسری کی اجمالی نشاندہی کی' اور اسی طرح دو بنیادی[1] عملی غلطیوں کا انکشاف ہم پر ہوا' اگرچہ وہ دونوں اتنی اساسی اور گمبھیر اور دور رس نتائج کی حامل تھیں کہ ایک نے اس کے رُخ ہی کو یکسر تبدیل کر دیا' تو دوسری نے اس کی چوٹی کی قیادت میں باہمی عدم اعتماد اور سُوءِ ظن اور اس سے آگے بڑھ کر نفرت و حقارت کے بیج بو دئے ------ ان میں سے پہلی کی تشخیص و تعیین کے لئے ہم نے متذکرہ بالا طویل بیان تحریر کیا تھا جو اب "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" کے نام سے طبع شدہ موجود ہے' اور دوسری کی تعیین و تبیین کے لئے 'نقضِ غزل' لازمی و لابدی ہے۔

جہاں تک جماعت کے تأسیسی افکار و نظریات کی 'بے اعتدالیوں' کا تعلق ہے' اُن میں سے ایک وہ ہے جس کا تذکرہ ہم نے اجمالاً ۱۹۶۶ء میں 'تحریکِ جماعتِ اسلامی' کی اشاعت کے موقع پر اس کے دیباچے میں ان الفاظ میں کیا تھا: (صفحہ ۱۸)

> "مولانا مودودی صاحب بیک وقت داعیٔ دین بھی ہیں اور متکلّمِ اسلام بھی اور ان کی دعوت کے رگ و پے میں فطری طور پر ان کے کلامی نظریات سرایت کئے ہوئے ہیں - اب ظاہر بات ہے کہ مولانا مودودی اس دور کے متکلم ہیں جب کہ دنیا مختلف 'نظام ہائے حیات' کے نظری و فکری ادوار سے گزر کر عملی زندگی کی نہج قرار پانے اور پھر ان کے باہمی تصادم کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے - اس تاریخی پس منظر میں مولانا مودودی

---

[1] اسی مناسبت سے ہم نے مشین والی مثال میں دو پرزوں کی خرابی کا ذکر کیا تھا!

صاحب نے اسلام کا مطالعہ کیا تو وہ انہیں ایک 'بہترین نظام حیات' اور انسانی زندگی کے "تمام مسائل کا بہترین حل" نظر آیا- چنانچہ یہی ان کی دینی فکر کا مرکزی نقطہ بن گیا جس کے یمین ویسار انہیں اسلام کے عقائد' اس کی عبادات اور اس کی شریعت کے تفصیلی احکام صف بستہ نظر آئے' اور اس طرح انہیں دین کا اصل مطالبہ یہ نظر آیا کہ اس نظامِ کُلّی کو نظامِ زندگی پر عملاً نافذ کر دیا جائے ------- یہ تمام باتیں اپنی جگہ صحیح ہیں لیکن مولانا مودودی صاحب کی تحریروں پر ان کا اس قدر غلبہ ہے کہ دین کے دوسرے پہلو مثلاً بندے کا اپنے رب کے ساتھ تعلق اور اس میں عبدیّت' انابت' اخبات' تضرّع اور اخلاص منجملہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے -------- اور جماعت اسلامی کی تحریک میں فرد پر اجتماعیّت' باطن پر ظاہریت' اور حیات اخروی پر حیات دنیوی اس طرح چھا گئے کہ اس کے کارکنوں کی زبان پر اگرچہ 'نجات اخروی' بھی رہی لیکن ان کی عملی سعی وجہد کا اصل مرکز و محور دنیا میں 'اقامت دین' بن کر رہ گئی"-

تاہم اس وقت بھی ہم نے مولانا وحید الدین خان کی کتاب "تعبیر کی غلطی" کے مرکزی خیال سے اختلاف کرتے ہوئے اُسے دوسرا انتہائی رخ قرار دیا تھا -------اور پھر جب ایک سال بعد جب محولہ بالا رائے کی شرح "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ : کرنے کا اصل کام" کے عنوان سے لکھی تو اس میں بھی تعبیر کی غلطی کی بجائے "تعبیر کی کوتاہی" کا عنوان اختیار کیا-

اور دوسری 'بے اعتدالی' کا مظہر وہ 'انتہاپسندی' ہے جس کا اظہار مولانا مودودی نے اوّلاً وطنی قومیت اور ثانیاً مسلم قومیت کی نفی کے ضمن میں کیا- جس کے بارے میں ہم نے ۱۹۷۴ء میں تو اس اجمالی اشارے پر اکتفا کیا تھا (سرافگندیم' صفحہ ۳۴-)

"ہمارے نزدیک اس موقف میں انتہاپسندی کی شدّت تو موجود ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کا ٹھیٹھ نظریاتی اور اصولی موقف یہی ہے!"

لیکن ۱۹۸۷ء میں "جماعت شیخ الہندؒ اور تنظیم اسلامی" نامی کتابچہ کے مقدمے میں قدرے وضاحت کی کہ :

"اُن کی اس انتہاپسندی کا اوّلین مظہر یہ تھا کہ انہوں نے متحدہ قومیت کو نہایت شدّ و مدّ کے ساتھ 'کفر' قرار دیا ------- اور کانگریسی مسلمانوں اور جمعیت علماء ہند اور اس کی قیادت پر نہایت جارحانہ ہی نہیں حد درجہ دل آزار تنقیدیں کیں" اور پھر "اس کے کچھ ہی عرصے بعد انہوں نے مسلم قومیت کو بھی 'کفر بواح' کا ہم پلہ قرار دے دیا" (صفحہ: ۲۲)

اور اس طرح مسلمانانِ ہند کی قومی تحریک یعنی تحریک پاکستان سے کامل علیحدگی ہی نہیں مخالفت ومخاصمت کی روِش اختیار کر لی!

لیکن اِن دونوں "بے اعتدالیوں" کے باوصف ہماری جو رائے تحریکِ جماعتِ اسلامی کے دورِ اوّل کے بارے میں تھی وہ ۵۶ء میں تحریر شدہ 'بیان' میں تو "دَورِ اوّل اور اس کے بنیادی افکار و نظریات" کی بحث کے اختتام پر "خاتمۂ کلام" کے عنوان سے ان الفاظ میں سامنے آئی تھی کہ:

"ان نقوش پر کہ جو صفحاتِ گزشتہ میں ثبت کئے گئے ہیں سرسری طور پر نظر ڈالنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ ایک اصولی اسلامی تحریک کے نقوش ہیں - واقعہ یہ ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک کا یہ دورِ اوّل کم از کم ظاہری اعتبار سے بالکل وہی نقشہ پیش کرتا ہے جو ہمیشہ سے انبیاء کرام علیہم السلام کی تحریکوں کا خاصّہ رہا ہے - بالکل وہی افکار و نظریات و عقائد ------- اور بعینہٖ وہی دعوت پیش کی گئی کہ جو انبیاء کرام پیش کرتے آئے ہیں - اور بہت حد تک وہی نصب العین اختیار کیا گیا اور اس کے لئے وہی طریق کار اختیار کیا گیا کہ جو ان کی تحریکوں میں اختیار کیا جاتا رہا ہے - ان دونوں کے نقوش میں بہت مشابہت پائی جاتی ہے اور بنظرِ ظاہر ان میں کوئی نمایاں فرق محسوس نہیں ہوتا -

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس تحریک میں کوئی خامی اور کمی نہ تھی اور یہ ہر اعتبار سے مکمل تھی اس لئے کہ اس میں خامیاں اور کوتاہیاں بہرحال موجود تھیں جن پر آئندہ کسی جگہ مجھے بھی اپنی محدود بصیرت کے مطابق

کلام کرتا ہے[1]- لیکن جو بات ایک گونہ اطمینان اور وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ تحریک اپنی نوعیت' اپنے بنیادی افکار و خیالات' اپنی دعوت اور اپنے طریق کار اور اس میں ترتیب اور تقدیم و تاخیر کے اعتبار سے تھی بہر حال اسلام کے اصولوں کے مطابق اور انبیاء کرام علیہم السلام کی تحریکوں کے نقش قدم پر-" (تحریکِ جماعتِ اسلامی صفحہ - ۱۰۳)

اور پھر لگ بھگ ۲۱ برس بعد ۱۹۸۷ء میں بھی ہم نے بحمد اللہ "جماعت شیخ الہندؒ" کے مقدّمے میں جماعتِ اسلامی کے دَور اوّل کو "ایک خالص اصولی' اسلامی' انقلابی تحریک" ہی قرار دیا جو ۱۹۴۷ء تک "خالص اصولی اور انقلابی طریق پر عمل پیرا اور گویا منہاجِ نبوّت و رسالت پر قائم اور گامزن رہی!" (صفحہ ۲۲)

لیکن دو عظیم عملی غلطیوں کا معاملہ اِس کے بر عکس ہے!

ان میں سے پہلی یعنی ۱۹۴۷ء میں طریق کار کی تبدیلی نے اس تحریک کی نوعیت ہی کو اَز سر تاپا بدل کر رکھ دیا- تاہم اس کے ضمن میں اس موقع پر کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے' اس لئے کہ راقم کی پوری تالیف "تحریک جماعت اسلامی" اسی کے دلائل و شواہد پر مشتمل ہے- یہاں ایک تو اس کے دوسرے حصّے یعنی "دورِ ثانی اور اس کی خصوصیات" کے "نتیجۂ کلام" کا یہ مختصر اقتباس کفایت کرے گا:

"اس دورِ ثانی کے نقوش کا سرسری سا مطالعہ بھی یہ واضح کر دینے کے لئے کافی ہے کہ اس میں 'ایک اصولی اسلامی جماعت' کی خصوصیات کہیں ڈھونڈے سے بھی نہیں ملتیں ------ یہ ایک خالص بے اصولی قومی جماعت کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو یا تو واقعی اسلام پسند ہے یا اپنی قوم میں برسرِ اقتدار آنے کے لئے اسلام کو بطور نعرہ (Slogan) استعمال کر رہی ہے-

---

[1] یہ اشارہ ہے اپنی اس رائے کی جانب جو ہم نے دس سال بعد "تحریکِ جماعتِ اسلامی" کے دیباچے میں ظاہر کی اور جو ابھی قارئین کی نگاہوں سے گزر چکی ہے-

میں نے نہ یہ کہا ہے اور نہ میں ایسا سمجھتا ہوں کہ ۱۹۴۷ء میں جب طریقِ کار تبدیل کیا گیا تو دانستہ طور پر ان لازمی نتائج کو جاننے کے باوجود اور اس تبدیلی کا ادراک کرنے کے باوجود کیا گیا کہ جو اس طرح اس پوری تحریک کی بنیادی نوعیت میں برپا ہو رہی تھی لیکن یہ بہر حال میں سمجھتا ہوں اور اسی کو وضاحت کے ساتھ میں نے اس قدر طویل تحریر میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے کہ طریقِ کار کی اس تبدیلی نے جماعت کو سطحی طور پر متاثر نہیں کیا بلکہ اس کو جڑوں سے لے کر شاخوں تک اور سر سے لے کر پیر تک بدل کر رکھ دیا ہے - اور اب اس جماعت کی بنیادی نوعیت تک میں فرق واقع ہو چکا ہے "

(تحریک جماعت اسلامی صفحات ۲۰۲ - ۲۰۳)

اور دوسرے اُن بے شمار خطوط میں سے صرف چار کے اقتباسات کفایت کریں گے جو کتاب کی اشاعت پر موصول ہوئے تھے ------- اُن میں سے دو جماعتِ اسلامی پاکستان کے ایسے سابق ارکان کے ہیں جن کا ذکر 'نقضِ غزل' میں موجود ہے ------- اور دو کا تعلق بھارت سے ہے - (یہ خطوط 'میثاق' کے اگست اور ستمبر ۷۶ء کے شماروں کے کور کے اندرونی صفحات پر شائع ہوئے تھے -)

★

"..... آپ کی معرکۃالآرا، وقیع اور تحقیقی تصنیف "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" نظر سے گذری ..... کتاب وقت کی ایک متحرک، جامع اور تاریخی تحریک سے متعلق ہے لہذا ظاہر ہے کہ بہت دلچسپی اور شوق سے پڑھی جائے گی..... علماء کے علاوہ خواص نے بھی اسے بالاستیعاب از ابتدا تا انتہا بہت ہی شوق سے پڑھا اور پڑھنے کے بعد بہت اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا خصوصاً اس بات پر کہ آپ نے با ضابطہ جماعت میں اتنی کم مدت رہنے کے باوجود اور اس نو عمری میں ان حقائق و کوائف کا ادراک کیا اور پھر ایسے سلیس و متین پیرائے میں اور اس قدر مرتب اور سلجھے ہوئے انداز میں پیش بھی کر دیا ..... بہر کیف آپ امت کی جانب سے شکریے کے مستحق ہیں .....

دل سے دعا نکلتی ہے کہ کاش جماعت جن مقاصد کے لیے قائم ہوئی تھی اور جن کا اس نے اپنے دور اول میں کسی حد تک عملی مظاہرہ بھی کیا اپنی بنیادی خامیوں کی اصلاح کے بعد پھر اسی کا عملی نمونہ پیش کرے - نہیں معلوم کتنے مضطرب قلوب اس کے منتظر ہیں! ..... محترمی! ہمارے قلوب پژ مردہ ہو چکے ہیں، ہماری مایوسی انتہا کو پہنچ چکی ہے، ہم بہت ٹھوکریں کھانے ہوئے، مخدوع اور زخم خوردہ ہیں ..... اے اللہ ہمارے زخموں کی مرہم پٹی کے لیے کسی کو بھیج جو ہمیں ہر لحاظ سے ایسا بنا دے کہ ہم اسلام کے عملی ترجمان بن کر اپنے فرائض کی

انجام دہی میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں!.........

مکرمی! آپ نے تحریک کے دور ثانی میں بتدریج رونما ہونے والے جن نقائص و عیوب کا تذکرہ فرمایا ہے میرے خیال ہی میں نہیں بلکہ ہر منصف مزاج شخص یہ کہنے پر مجبور ہے کہ یہ بالکل بدیہی امر ہے اور خود جماعت کے ارباب حل و عقد اور اصحاب فکر و نظر کو بھی اس کا پورا احساس ہے لیکن اصلاح کے لیے جس ہمت مرداں و جرأت رنداں کی ضرورت ہے وہ مفقود ہے ...... وھاں تو لومۃ لائم سے بڑھ کر یہ احساس سد راہ ہے کہ ہم اپنے طویل سفر پر کس طرح پانی پھیر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان زخارف سے لا پرواہ ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ نہیں معلوم کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد آپ کن ''مشکلات'' اور ''نوازشات'' سے دو چار ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ رکھے، آپ سے کوئی ٹھوس اور محکم خدمت لے اور اس راہ کے تمام موانع و عوارض کو دور فرمائے......''

'.......'

(Academy
Islamic Research & Publications,
Nadwatul Ulama,
LUCKNOW)

★

''.......... جماعت کے ماضی و حال کے تقابلی مطالعہ سے یہ بات شک و شبہ سے بالاتر ہو کر ثابت ہو گئی ہے کہ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے''

حکیم افتخارالحق تکمیلی

بیسل پور - پیلی بھیت (یو۔ پی) بھارت

★

''......اسی اثنا میں ''تحریک جماعت اسلامی'' کا مطالعہ کیا۔ تقریباً وہ سب باتیں آپ نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں جو جائزہ کمیٹی کو ہم لوگوں نے نوٹ کرائی تھیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ باتیں ہماری ہیں قلم آپ کا ہے اور آپ نے ہم سب کی بھرپور نمائندگی کی ہے......یہ کتاب محض آپ کی تھیں ہے اور اس میں صرف آپ کے دل کی دھڑکنیں نہیں بلکہ ان سینکڑوں افراد کا درد دل بول رہا ہے جو کراچی سے پشاور تک پھیلے ہوئے ہیں......

......ماچھی گوٹھ کے بعد جماعت نے جس تیزی کے ساتھ اپنے مقصد سے انحراف کیا ہے - آگے ہوئے نوالوں کو جس طرح چبایا ہے اور تقیہ سے لیکر ھیر پھیر کے جتنے بھی پینترے اس نے بدلے ہیں ان کا تجزیہ ضروری تھا جس کی کمی کتاب میں محسوس ہوتی ہے......''

نجیب صدیقی ، شاہی بازار ، سکھر

★

''...... آپ کی کتاب...صاحب سے لیکر دیکھی ، جماعت اسلامی کے پرانے اور نئے موقف کا تضاد آپ نے خوب واضح کر دیا ہے۔ افراد کے کردار میں گراوٹ کے جو اسباب آپ نے بیان کئے ہیں وہ صحیح ہیں ، اگر جماعت پرانے موقف پر چلتی رہتی تو زوال پذیر نہ ہوتی یا کم از کم اس قدر جلد نہ ہوتی......بہر حال آپ کا تجزیہ بنیادی طور پر صحیح ہے اور دس سال قبل کی تحریر ہونے کی وجہ سے بہت زیادہ ستائش کی مستحق ہے...''

ظفرالاحسن ، ناظم آباد - کراچی

تاہم یہ واضح رہنا چاہئے کہ جماعت اسلامی پاکستان کے رخ کی اس تبدیلی کو نہایت اساسی اور حد درجہ دور رس نتائج کی حامل سمجھنے کے باوجود، راقم نے اسے کبھی کسی بدنیتی پر مبنی قرار نہیں دیا۔ اِس سلسلے میں راقم نے اپنے بیان جائزہ کمیٹی کے آخری باب "تبدیلی کیوں؟" میں ان تمام دلائل کو ردّ کرنے کے بعد جو جماعت کی قیادت کی جانب سے اس تبدیلی کے جواز کے طور پر وقتاً فوقتاً پیش ہوئے "اصل وجہ" کے عنوان کے تحت لکھا تھا:

"سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر تمہارے خیال میں اس تبدیلی (بلکہ تمہاری رائے میں تحریکِ اسلامی کی "راہ راست سے اس انحراف") کی وجہ کیا ہے۔ اس سوال کا جواب میرے ذمے ہے اور اس کا وعدہ میں صفحہ ۱۳۰ پر بھی کر آیا ہوں۔

میں اگر ایک لفظ میں اس اصل وجہ کو بیان کرنا چاہوں تو وہ ایک لفظ "عجلت پسندی" ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ ذرا اس کی تفصیل بیان کر دوں۔ خصوصاً اس غرض سے کہ اس "دورِ فتن" میں جب کہ طرح طرح کی باتیں کی جا رہی ہیں اور بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی ہیں کہیں میں بھی ان لوگوں کے زمرے میں شریک نہ سمجھا جاؤں جو محض بیانِ حال ہی پر اکتفا نہیں کر رہے ہیں بلکہ نیتوں تک کو زیر بحث لا کر فضا کو مکدّر کر رہے ہیں۔

میری رائے میں عجلت پسندی کہنے کو تو ایسی چیز ہے کہ جس کے بارے میں معمولی استعداد اور تھوڑی سی صلاحیت رکھنے والا شخص بھی فوراً کہہ دے گا کہ یہ ایک نہایت غلط اور بڑی مہلک چیز ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ انسان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے اور انسان کا خمیر جس مٹی سے اٹھا ہے اس میں ایک جزو لاینفک کے طور پر موجود ہے۔ یہ مفہوم جو میں نے اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے قرآن مجید کا بیان کردہ ہے: خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: ۳۷ "بنا ہے انسان جلدی کا" ترجمہ شیخ الہندؒ) اور وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا (بنی اسرائیل: ۱۱ "اور ہے انسان جلد باز") کے چھوٹے چھوٹے جملوں میں حقیقت کے اعتبار سے معانی اور مفہوم کے دریا بند ہیں"۔

اور اس کے بعد ' عجلت پسندی ' کے موضوع پر آٹھ دس صفحات پر پھیلی ہوئی ایک بحث[1] کے بعد ---- (جس کی علمی حیثیت کو مولانا اصلاحی نے ایک موقع پر بہت سراہا تھا) آخر میں راقم نے دوبارہ عرض کیا تھا کہ :

"میں خدا کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں اس کے سوا کسی اور بری نیّت یا 'Malafide' کو برسر کار نہیں پاتا - اسے غلطی میں ضرور سمجھتا ہوں لیکن اس غلطی کو میں جذبۂ عجلت پسندی پر محمول کرتا ہوں' کسی بری نیت یا ارادے پر مبنی نہیں سمجھتا!"

اور بحمد اللہ راقم اب بھی اسی رائے کا حامل ہے !

دوسری عظیم عملی غلطی جس نے ٹائم بم کے مانند 'نقضِ غزل' کی صورت میں مہیب دھماکہ کیا اور جماعت اسلامی کی بنیادوں تک کو ہلا ڈالا' جماعت کی ہیئتِ تنظیمی سے متعلق ہے - اور جہاں پہلی غلطی کی نوعیت ایسی تھی کہ جیسے کوئی انسان ایک خاص رخ پر چلتے چلتے دفعتہً اپنا رخ تبدیل کر لے اور اس کے بعد پھر سیدھی لائن پر چلنا شروع کر دے تو خواہ ابتداء میں رخ کی یہ تبدیلی معدودے چند ہی درجوں کے زاوئے کے مساوی ہو لیکن جیسے جیسے وہ آگے بڑھے گا اُس کا فاصلہ سابق رخ سے بڑھتا چلا جائے گا------ اور گو اسے خود بھی محسوس ہو گا کہ وہ کچھ صحیح رخ پر نہیں بڑھ رہا ہے لیکن جب تک وہ اُس خاص نقطے کا تعیّن نہ کر لے جہاں سے زاویہ بدلا تھا وہ کبھی اپنی غلطی کی صحیح تشخیص نہیں کر سکے گا - اس لئے کہ اُس خاص نقطے کے بعد سے تو وہ پھر خطِ مستقیم ہی پر چل رہا ہو گا' چنانچہ ہر پچھلا قدم اگلے قدم کے لئے جواز فراہم کر دے گا !!------ وہاں اِس دوسری غلطی کی نوعیت اُس سرطان کی سی تھی جو بظاہر صحت مند اور ہر طرح سے چاق و چوبند شخص کے جسم میں خاموشی کے ساتھ اندر ہی اندر جڑیں پھیلاتا رہتا ہے یہاں تک کہ بالکل اچانک پورا جسم ع "تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم" کے مصداق متعفّن

---

[1] ملاحظہ ہو تحریک جماعتِ اسلامی" صفحہ ۲۱۶ تا ۲۲۵

پھوڑوں سے پھل جاتا ہے ------ چنانچہ اوّل تو صرف 'نقضِ غزل' میں جو مواد شامل ہے اُسی سے اُس مسموم اور متعفّن فضا کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے جو ۵۷-۵۶ء میں جماعتِ اسلامی کے چوٹی کے قائدین کے باہمی تعلقات کے ضمن میں پیدا ہو گئی تھی ------ اور اگر اس کی شدت کا بھرپور اندازہ کرنا ہو تو اُس خط و کتابت پر ایک نظر ڈال لینا کافی ہو گا جو مولانا اصلاحی کے رکنیتِ جماعت سے مستعفی ہونے کے بعد ان کے اور مولانا مودودی کے مابین ہوئی۔

یہ عظیم اساسی غلطی جو جماعتِ اسلامی کی ہیئتِ تنظیمی میں ۔ "خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج۔ تاثریّامی رود دیوار کج!" کے مانند پیوست ہو گئی تھی، یہ تھی کہ

> حقیقتِ نفسُ الامری کے اعتبار سے تو جماعت اسلامی ایک داعی کی دعوت پر جمع ہونے والے لوگوں پر مشتمل تھی چنانچہ داعی کو از خود امیر و قائد کی حیثیت حاصل تھی اور جمع ہونے والے لوگوں کی حیثیت اصلًا اُس کے اعوان و انصار کی تھی ------ لیکن مختلف اسباب کی بنا پر ظاہری اعتبار سے اس کا ڈھانچہ ایک ایسی دستوری اور جمہوری تنظیم کے طرز پر اٹھایا گیا جو کچھ لوگوں کے باہمی اتفاق رائے سے وجود میں آتی ہے اور جس کا صدر یا امیر ان کے ووٹوں سے منتخب ہوتا ہے !!

اب ظاہر ہے کہ مقدّم الذکر نوعیت کی جماعت میں قیادت کی اصل ذمہ داری 'داعی امیر' کی ہوتی ہے، وہی پالیسی معیّن کرتا ہے، اسی کی صوابدید ہر معاملے میں فیصلہ کن ہوتی ہے چنانچہ وہ صرف اپنی 'ضرورت' کے بقدر ساتھیوں سے مشورہ کرتا ہے، اور ساتھی اپنے امکانی 'اجتہاد' کو بروئے کار لا کر مشورہ دیتے ہیں، اور مشورہ پیش کرنے کے بعد اپنے آپ کو بری الذّمہ سمجھتے ہیں، اور آخری فیصلہ کا معاملہ اپنے داعی و قائد پر چھوڑ دیتے ہیں ------ اس نوع کی کسی تنظیم کے ساتھ اگر "اسلامی" کا سابقہ یا لاحقہ بھی لگا ہوا ہو تو حدیثِ نبویؐ :

"لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ"

کے مطابق، جس کا تقاضا ہے کہ داعی ہو یا قائد، صدر ہو یا امیر، حتیٰ کہ حاکم اور سلطان ہو یا خلیفہ، کسی کی بھی اطاعت کسی ایسے معاملے میں نہیں کی جا سکتی جو شریعت کے خلاف ہو، اس تنظیم یا جماعت میں بھی "سمع و طاعت" تو بھرپور انداز میں ہو گی لیکن "معروف" کے دائرے کے اندر اندر!--------جب کہ مؤخر الذکر نوعیت کی تنظیم کے منتخب سربراہ کو نام خواہ صدر کا دیا جائے خواہ امیر کا، اسے اصلاً کوئی امتیازی حیثیت اپنے ساتھیوں پر حاصل نہیں ہوتی اور جو کچھ اختیار اس کے پاس ہوتا ہے ساتھیوں ہی کا تفویض کردہ ہوتا ہے، جسے وہ جب چاہیں واپس بھی لے سکتے ہیں، اس نوع کی تنظیم میں مشورہ کرنا صدر یا امیر کا "فرض" اور ساتھیوں کا "حق" ہوتا ہے اور سربراہ کے لئے لازم ہوتا ہے کہ اکثریت کی رائے کی پابندی کرے!!

'نقضِ غزل' کی تیسری قسط جس پر اب "مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کی رفاقت کا تاریخی پس منظر" اور "جماعت اسلامی کا تنظیمی ڈھانچہ" کا عنوان قائم ہوا ہے، جب نومبر ۱۹۶۶ء کے 'میثاق' میں شائع ہوئی تو مولانا اصلاحی کی جانب سے تو اُس کی کامل اور صراحتہً تصویب ہوئی تھی۔ چنانچہ ان کے تأثر اور تبصرہ کا ایک حصہ تو وہ ہے جو دسمبر ۶۶ء کی اشاعت کے کور پر شائع کر دیا گیا تھا------یعنی:

"'نقض غزل' کی گذشتہ قسط راقم الحروف نے اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر تحریر کی تھی اور مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کے علم میں وہ طباعت کے بعد ہی آئی، لیکن بحمد اللہ مولانا نے نہ صرف اس کی مجموعی اعتبار سے مکمل تصویب فرمائی بلکہ شدت تاثر میں بار بار یہ شعر مولانا کی زبان پر جاری ہوتا رہا کہ

سر خدا کہ عارف وسالک بکس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید!

اس مضمون کی حالیہ قسط میں راقم الحروف نے مولانا کے موقف سے اختلاف بھی کیا ہے اور اس پر تنقید بھی کی ہے۔ مولانا کی انصاف پسندی سے توقع ہے کہ وہ اس پر بھی 'ہمدردانہ' غور فرمائیں گے۔

اسرار احمد"

مزید برآں مولانا کے یہ الفاظ بھی ہمیں واضح طور پر یاد ہیں کہ: "آپ نے تو جماعت کی ایسی تاریخ لکھ دی ہے کہ اگر خود میں بھی کوشش کروں تو اس خاکے میں

صرف واقعاتی رنگ مزید بھرنے کے سوا اور کوئی اضافہ نہیں کر سکتا ! "
------ مولانا مودودی مرحوم کی جانب سے بھی 'سکوت' کو کامل توثیق نہ سہی 'نیم رضا' سے تعبیر کیا جا سکتا ہے -

اس وقت اس کے حوالے سے دو باتیں ذہن میں تازہ کر لی جائیں :

ایک[1] یہ کہ مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا ابوالحسن علی ندوی اور مولانا شاہ محمد جعفر پھلواروی اور بعض دوسرے نمایاں علماء کے جماعت سے علیحدہ ہو جانے کے بعد مولانا اصلاحی کو جماعت اسلامی میں واضح اور مسلّم طور پر 'شخص دوم' کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی - اور دوسرے[2] یہ کہ جماعت کی ہیئتِ تنظیمی کے ضمن میں مولانا مودودی کے نظریات اور تصوّرات اور پر بیان شدہ مقدّم الذکر نوعیت کے تھے' جب کہ مولانا اصلاحی مؤخر الذّکر نظریئے اور تصور کے حامل تھے -

چنانچہ ان 'دو بڑوں' کے مابین' سترہ سالہ رفاقت کے دوران' دعوتی اور تحریکی سرگرمیوں میں " یک جان دو قالب " کی حد تک رفاقت اور مثالی تعاضد و تناصر کے باوصف اندر ہی اندر ایک کشمکش بھی جاری رہی' جو آغاز میں تو محض ایک علمی اختلاف کی حیثیت رکھتی تھی' لیکن قیام پاکستان سے متصلاً قبل' ۱۹۴۶ء میں الٰہ آباد کے سالانہ اجتماع میں اس کے ضمن میں تلخی کا ظہور ہو چکا تھا' چنانچہ قیامِ پاکستان کے بعد کے دس سالوں کے دوران یہ ایک 'سرد جنگ' کی صورت میں مرکزی مجلس شوریٰ کی سطح پر جاری رہی اور بالآخر اس نے 'نقضِ غزل' کے تند و تیز دھماکے کی صورت میں ظہور کیا - جس کی ذمہ داری کا اگر پچھتر فی صد حصّہ مولانا مودودی پر آتا ہے تو کم از کم پچیس فی صد بار مولانا اصلاحی پر بھی ہے !!

راقم الحروف کو اقامت دین کے مقصدِ عظیم کے لئے 'برپا' ہونے والی جماعت کی ہیئتِ تنظیمی اور اس کے امیر اور دوسرے شرکاء کے مابین تعلّقات کی نوعیت' اور بالخصوص قائد اور امیر کے حقوق و اختیارات کے ضمن میں مولانا مودودی کی رائے کا اندازہ تو اگرچہ حالات و واقعات کے بین السطور سے پوری طرح ہو گیا تھا (جیسے کہ 'نقضِ غزل' کے متذکرہ بالا حصے سے ظاہر ہے) لیکن اس

کے سامنے اس موضوع پر مولانا مرحوم کی کوئی واضح تحریر موجود نہ تھی ------ مولانا نے اس سلسلے میں جو تقریر کوٹ شیر سنگھ کی شوریٰ میں کی تھی اس کی اڑتی اڑتی سی خبریں ملیں تو تجسّس تو بڑھ گیا لیکن تفصیلات کے حصول کی کوئی سبیل نظر نہ آئی اور متعدّد رابطوں کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہ مل سکا!

اسی اثناء میں ۸۳-۱۹۸۲ء کے لگ بھگ زمانے میں حیدر آباد (دکن) سے مولانا محمد یونس (مرحوم) کی تالیف "خطوط کے چراغ" موصول ہوئی تو مولانا مودودی کے ایک مکتوب میں، جو قیامِ جماعت سے چھ ماہ قبل مارچ ۱۹۴۱ء میں تحریر ہوا تھا، موضوع زیر بحث پر ان کی سوچ واضح طور پر سامنے آ گئی - اس لئے کہ اس خط میں مولانا مرحوم نے بیعت کی اقسام کے ضمن میں بیعتِ نظمِ جماعت کا ذکر نہایت صراحت و وضاحت اور عزم و جزم کے ساتھ کیا ہے ------ جو حسب ذیل ہے:

> "۳- تیسری بیعت وہ ہے جو اسلامی جماعت کے امیر یا امام کے ہاتھ پر کی جاتی ہے - اس کی نوعیت یہ ہے کہ جب تک امیر یا امام اللہ اور اس کے رسولؐ کا مطیع ہے، اس وقت تک جماعت کے تمام ارکان پر اس کی اطاعت فرض ہے - " مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ " اور دوسری تمام احادیث میں جس بیعت کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے ان سب سے مراد تیسری بیعت ہے کیونکہ اس پر اسلامی جماعت کی زندگی اور اس کے نظام کا قیام منحصر ہے اس سے الگ ہونے یا الگ رہنے کے معنی یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جس کام کے لئے تشریف لائے تھے اور جس امرِ عظیم کا بار آپؐ امت پر چھوڑ گئے ہیں اس کو نقصان پہنچایا جائے یا ختم کر دیا جائے[1]"

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلے میں مولانا مودودی مرحوم کے نظریات کمالِ شرح و بسط کے ساتھ اُن کی اُس تقریر میں سامنے آئے جو ہفت روزہ 'آئین' نے

---

[1] مولانا مرحوم کے اس خط کے ضمن میں ہفت روزہ 'تکبیر' کراچی نے کچھ خلطِ مبحث اور مغالطہ آمیزی کی سعی کی تھی جس پر ہماری جانب سے وضاحت ارسال کر دی گئی تھی لیکن افسوس کہ اسے پورا شائع نہیں کیا گیا۔ تاہم 'میثاق' میں یہ پوری بحث ۱۹۸۶ء میں شائع ہو گئی تھی اور دوبارہ مارچ ۸۹ء کی اشاعت میں بھی!

شائع کی - یہی وجہ ہے کہ ہم نے اسے شکریہ کے ساتھ فوراً 'میثاق' میں مِن و عن شائع کر دیا - (اس لئے کہ ہم تو اس کے ایک عرصے سے متلاشی تھے!)

مولانا مرحوم کے جو افکار اور نظریات اس تقریر (یا تحریر) کے ذریعے سامنے آئے ہیں' اُن میں سے بعض سے ہمیں شدید اختلاف بھی ہے (جس پر ہم بعد میں گفتگو کریں گے) لیکن جہاں تک تحریک اسلامی کے قائد اور امیر کے حقوق و اختیارات کا معاملہ ہے اس کے ضمن میں ہم اُن سے صد فی صد متفق ہیں - یعنی یہ کہ اگر اُس تحریک کے پیشِ نظر محض اصلاحی یا تبلیغی کام نہ ہو' بلکہ حقیقی معنیٰ میں 'اقامتِ دین' یعنی دین کے کامل نظامِ عدل وقسط (System of Social Justice) کا قیام یا بالفاظِ دیگر 'اسلامی انقلاب' ہو تو اس کے لئے قائم ہونے والی جماعت یا تنظیم کے امیر کے حقوق و اختیارات وہی ہونے چاہئیں جو مولانا نے بیان کئے ہیں - بالخصوص جبکہ اس کی حیثیت 'داعی امیر' کی ہو یعنی اسی کی دعوت اور اسی کے افکار و نظریات کی اساس پر وہ جماعت یا تنظیم وجود میں آئی ہو ------ تاہم ہماری پختہ رائے ہے کہ یہ تصوّرات صرف نظامِ بیعت سے مناسبت رکھتے ہیں اور کسی دستوری اور جمہوری تنظیم میں اِن کو بہ تمام و کمال سمونا تو ممکن ہی نہیں ہے' لیکن اگر کسی مجبوری کے باعث ایسا کرنا لازمی ہو تو اس میں امیر یا صدر کے حقِ استرداد (Veto) کا غیر مبہم انداز میں تسلیم کیا جانا ضروری اور لابدی ہے!

جہاں تک ہمارا تعلق ہے' بحمد اللہ' ہم پر یہ حقیقت پوری وضاحت کے ساتھ جماعت سے علیحدہ ہونے کے بعد جلد ہی 'منکشف'[1] ہو گئی تھی ------ چنانچہ ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور قائم کی تو اُس میں بھی اپنا

---

[1] اس لفظ کا واقعاتی پس منظر بہت دلچسپ ہے - راقم جماعت سے مستعفی ہونے کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک تو لاہور اور فیصل آباد سے تعلق رکھنے والے اکابر (مولانا اصلاحی' مولانا عبدالغفار حسن اور حکیم عبدالرحیم اشرف وغیرہم) کے ساتھ کسی نئی تنظیم کی تشکیل کی مساعی میں مصروف رہا - لیکن اوائل ۵۹ء میں اُن سے مایوس ہو کر ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی مرحوم کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے کراچی ہجرت کر گیا - وہاں بھی ایک خاصا بڑا گروپ "خوارج" کا موجود تھا اور

(باقی اگلے صفحے پر دیکھئے)

ویٹو تسلیم کرایا اور اس کے بعد تنظیم اسلامی قائم کی تو اُس کی اساس بھی 'بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف' پر رکھی- اور اگرچہ اس میں اصل دخل تو _____

"وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰہُ"

کے مصداق اللہ تعالےٰ کے خصوصی فضل و احسان ہی کا ہے' تاہم ایک حد تک یہ سہولت بھی ہمیں حاصل تھی کہ ہمارے سامنے جماعتِ اسلامی کا تکلیف دہ تجربہ اور 'نقضِ غزل' کی عبرت انگیز مثال موجود تھی-

مولانا مودودی مرحوم کے ۱۹۴۱ء کے خط اور ۱۹۵۷ء کی تقریر سے یہ بات بلاشائبۂ ریب و شک ثابت ہو جاتی ہے کہ اصلاً مولانا مرحوم کا ذہن بھی یہی تھا- اور ہمارے نزدیک وہ کوہِ ہمالیہ جتنی بڑی غلطی جو مولانا سے قیامِ جماعت کے موقع پر سرزد ہوئی یہی تھی کہ انہوں نے جماعت کی اساس 'بیعتِ سمع و طاعت فی المعروف' پر نہیں بلکہ ایک دستور پر قائم کی- جس کے نتیجے میں اُن کی جو حیثیت معین ہوئی وہ ایک دستوری تنظیم کے 'منتخب امیر' کی تھی- جبکہ نہ صرف یہ کہ حقیقتِ واقعی کے اعتبار سے وہ 'داعی امیر' تھے' بلکہ اُن کے ذہن اور مزاج کی ساخت بھی اُسی سے مناسبت رکھتی تھی------ اور واقعہ یہ ہے کہ مولانا مودودی کی ان دو حیثیتوں' یعنی حقیقی اور واقعی حیثیت اور دستوری و قانونی حیثیت' کے مابین فرق و تفاوت بلکہ

بقیہ حاشیۂ صفحۂ سابقہ:

ان کے مابین اُن دنوں کیی نئی جماعت کے ضمن میں ہیئتِ تنظیمی کا مسئلہ زیرِ بحث تھا- چنانچہ راقم بھی اس مسئلے کے حل میں سرگرداں ہو گیا_____ اسی اثناء میں ایک دن یہ واقعہ پیش آیا کہ راقم نمازِ عشاء کے بعد مطب سے فارغ ہو کر کیماڑی سے ناظم آباد واپس آنے کے لئے بس میں سوار ہوا تو ذہن اسی ادھیڑ بُن میں مصروف ہو گیا اور راقم اس میں اس درجہ مستغرق ہوا کہ اسے کچھ پتہ نہ چلا کہ کب بس ٹاور سے گزری اور کب صدر پہنچی- لیکن جیسے ہی ڈرائیور نے ایمپریس مارکیٹ پر بریک لگایا میں ایک دم چونک سا گیا اور اُسی لمحے میرا مسئلہ حل ہو گیا' اِس لئے کہ عین اُسی وقت سورۃ الصف کی آخری آیت میرے ذہن میں بجلی کی طرح کوند گئی اور یہ حقیقت 'منکشف' ہو گئی کہ یہ مسئلہ "مَنْ اَنْصَارِیْٓ اِلَی اللّٰہِ؟" کے الفاظ کے حوالے سے 'داعی اور اس کے اعوان و انصار' کے اساسی تصور کے ذریعے ہی حل ہو سکتا ہے!

کشاکش اور تصادم ہی کے بطن سے اُن جملہ پیچیدگیوں نے جنم لیا جن کے نتیجے میں وہ متعدّد مواقع پر موردِ الزام بنے' اور اُن کے بعض اقدامات اس درجہ قابلِ اعتراض صورت میں سامنے آئے کہ ان کی بنا پر اُن کی نیت تک پر شک کی گنجائش پیدا ہوئی ------اس لئے کہ اگرچہ جماعت کے پہلے اجتماع میں مولانا مرحوم نے یہ وضاحت کر دی تھی کہ: "اسلامی جماعت کا طریقہ یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے اپنے صاحبِ امر کے انتخاب میں تقویٰ اور دیانت ہی تلاش کرتی ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے معاملات پورے اعتماد کے ساتھ اُس کے سپرد کرتی ہے"- لیکن چونکہ دستور جماعت میں امیر کے لئے ویٹو کا حق طے نہیں کرایا' لہٰذا بات گول مول رہ گئی!

اس سلسلے میں تأسیسِ جماعت کے عین موقع پر اگر موجود الوقت ظروف و احوال کے پیشِ نظر صورتِ معاملہ کے کسی قدر گول مول اور مبہم رہنے کے لئے کوئی وجہ جواز تسلیم کر بھی لی جائے' تو جماعت کے پہلے تنظیمی بحران کے بعد تو اس کے لئے قطعاً کوئی جواز باقی نہ رہا تھا جب بہت سے 'اکابر' (مولانا محمد منظور نعمانی' مولانا سید ابوالحسن علی ندوی وغیرہم) امیر جماعت میں اسی 'تقویٰ' کی کمی کے (صحیح یا غلط) احساس کی بنا پر جماعت سے علیٰحدہ ہو گئے تھے اور باقی رہنے والے لوگوں میں سے اس نمایاں ترین شخص (مولانا اصلاحی) نے' جنہیں اب واضح طور پر 'شخصِ دوم' کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی' امیر کے حقِ استرداد کے خلاف نہ صرف یہ کہ علانیہ موقف اختیار کر لیا تھا بلکہ ڈٹ کر مورچہ لگا لیا تھا------اُس موقع پر اگر مولانا مودودی اُن کے دلائل سے قائل ہو جاتے تب تو معاملہ دوسرا ہوتا' بصورت دیگر راست معاملگی (Straight Dealing)' بلکہ دور اندیشی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ مولانا بھی پوری طرح ڈٹ جاتے اور نہ کسی شخصیت کا لحاظ کرتے نہ کسی فوری مصلحت کے تحت غم کھاتے! لیکن افسوس کہ مولانا نے اس موقع پر وقتی مصلحت ہی کو پیشِ نظر رکھا اور اُس 'عزیمت' کے عشرِ عشیر کا بھی مظاہرہ نہ کیا جس کا اظہار اُن کی جانب سے دس گیارہ سال بعد ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان کے موقع پر' یا اس کے بعد ہوا ------لہٰذا معاملہ پھر گول مول ہی رہ گیا!

اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیامِ پاکستان کے بعد جب جماعت کے سیاسی میدان میں

چھلانگ لگا دینے کے باعث حالات و واقعات کی رفتار تیز ہوئی تو نو دس سال تک صورت یہ رہی کہ چونکہ مولانا مودودی کا ذہن اور مزاج تو وہی تھا جو اوپر بیان ہو چکا ہے' لہٰذا اُن کا مستقل طرزِ عمل یہ رہا کہ ہر بڑا فیصلہ خود کر لیتے اور اس کا اعلان و اظہار بھی کسی خطاب عام' یا اخباری بیان' یا ماہنامہ ترجمان القرآن کے 'اشارات' میں کر دیتے[1] اور پھر جب مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہوتا تو وہ غریب اس صورتِ حال پر سر پکڑ کر رہ جاتی کہ اب تو تیر کمان سے نکل چکا ہے۔ چنانچہ بعض مواقع پر شوریٰ کے ارکان اس طرز پر بھی سوچتے کہ میاں طفیل محمد صاحب کو قیّم جماعت کی بجائے صرف ناظمِ دفتر کی حیثیت دی جائے' اور مولانا مودودی کو پابند کیا جائے کہ وہ شوریٰ سے پیشگی مشورہ لئے بغیر کسی نئے اقدام کا اعلان نہ کریں۔ (یہ روایت حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کی ہے جو انہوں نے حالیہ ملاقات میں بیان کی۔)

امیر جماعت اور مرکزی مجلسِ شوریٰ کے مابین اسی کشمکش کا نتیجہ تھا کہ بالآخر دستورِ جماعت میں یہ پیچ در پیچ فارمولا طے پایا کہ: اگر کسی معاملے میں امیرِ جماعت بھی اپنی رائے پر اصرار کرے' اور مجلس شوریٰ کی اکثریت بھی کسی مقابل رائے پر مُصِر ہو جائے تو اس معاملے میں جماعت کے عام ارکان سے استصواب کیا جائے گا۔ پھر اگر ارکانِ جماعت کی اکثریت امیر کی رائے کے حق میں فیصلہ دے دے گی تو امیر اپنے منصب پر برقرار رہے گا جبکہ شوریٰ معزول ہو جائے گی اور اس کا نیا انتخاب ہو گا' اور اگر برعکس صورت پیدا ہو جائے تو امیر معزول ہو جائے گا اور نیا امیر منتخب کر لیا جائے گا!

جماعتِ اسلامی کی پوری تاریخ میں دستورِ جماعت میں طے شدہ اس راستے کو عملاً اختیار کرنے کا پہلا اور آخری موقع نومبر دسمبر ۵۶ء کی اُس شوریٰ میں آیا تھا جس میں جائزہ کمیٹی کی رپورٹ پیش ہوئی۔ شوریٰ کے اس طویل ترین اجلاس کے

---

[1] اپنے اس طرزِ عمل کا صریح اعتراف مولانا مودودی نے نہایت اعتماد اور طمطنے کے ساتھ جنوری ۵۸ء میں مولانا اصلاحی کے نام خط میں کیا ہے کہ: "میں اسی رائے کو حق سمجھتا ہوں' ہمیشہ اسی کو ظاہر کیا ہے' اور تشکیلِ جماعت کے بعد سے آج تک اسی پر عملاً کام کرتا رہا ہوں!"

دوران ارکانِ شوریٰ کے مابین جماعت کی پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں جو دو انتہائی متضاد نقطہ ہائے نظر سامنے آئے اُن پر جانبین کے اصرار کی شدّت تو اس سے ظاہر ہے کہ پندرہ دن کی طویل بحث کے بعد بمشکل ایک 'مصالحتی قرارداد' پر اتفاق ہو سکا---اور اس معاملے میں خود مولانا مودودی کے جو احساسات تھے وہ انہوں نے بعد میں خود ہی ارکانِ جائزہ کمیٹی کے نام اپنے الزام نامے میں وضاحت سے بیان کر دئے ------تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ دستورِ جماعت کا متذکرہ بالا پیچ در پیچ فارمولا آخر اور کس مرض کی دوا تھا؟------ دستور کی روح ہی نہیں الفاظ کے مطابق بھی صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ جو کام مولانا مودودی نے 'بعد از خرابیٔ بسیار' ماچھی گوٹھ میں کیا وہ وہاں کرتے 'یعنی اپنے نقطۂ نظر کو وضاحت سے بیان فرما دیتے اور پھر رائے شماری کرا لیتے' اس کے نتیجے میں اگر شوریٰ کے ارکان کی اکثریت مولانا کے موقف کی تائید کر دیتی تب تو کوئی بحران یا تعطّل پیدا ہی نہ ہوتا---بصورتِ دیگر عام ارکان سے استصواب کے لئے اجتماع طلب کر لیا جاتا- جہاں واضح طور پر امیر جماعت اور شوریٰ کی اکثریت کی قراردادیں ایک دوسرے کے بالمقابل پیش ہوتیں اور ارکان جو فیصلہ کرتے اسے فریقین دستور کے مطابق قبول کر لیتے------اس کے برعکس جو روش مولانا نے اختیار کی وہ نہ صرف یہ کہ دستور کی روح اور الفاظ دونوں کے منافی تھی' بلکہ باہمی معاملات کے معروف اور معقول معیارات سے بھی اس درجہ بعید تھی کہ انسان کے لئے کم از کم اس معاملے کی حد تک مولانا کے ساتھ حُسنِ ظن برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے!-----چنانچہ اس کا بالکل صحیح پوسٹ مارٹم تھا جو مولانا اصلاحی نے اپنے اُس طویل خط میں کر دیا تھا' جسے سفیرِ شام جناب عمر بہاء الامیری نے "قاضی کا فیصلہ" قرار دیا-

اس معاملے میں اگر اس امکان کو پیشِ نظر رکھا جائے کہ مولانا مودودی نے دسمبر کی شوریٰ میں تو مصالحت کی کوشش پورے خلوص و اخلاص اور کامل صفائے قلب ہی سے کی تھی لیکن بعد میں جب اُس مصالحتی قرارداد کی مختلف اور متضاد تعبیریں کی گئیں اور اس کے نتیجے میں لاہور' راولپنڈی اور لائلپور میں جماعت کے حلقوں میں ہنگامہ ہو گیا تب مولانا کا ذہن تبدیل ہوا------تب بھی یہ الزام پوری

شدّت سے برقرار رہتا ہے کہ اس صورت میں بھی متذکرہ بالا راستہ ہرگز بند نہیں ہوا تھا بلکہ پوری طرح کھلا تھا ------ اور مجلسِ شوریٰ کا اجلاس ہنگامی بنیادوں پر دوبارہ فوراً طلب کیا جاسکتا تھا!

مزید برآں، مولانا اصلاحی کے خط کے موصول ہوتے ہی مولانا مودودی کا انتہائی جذباتی انداز میں جماعت کی امارت سے استعفاء دینا اور پھر اُس کا سنسنی خیز انداز میں اخبارات میں شائع کرایا جانا[1] وغیرہ مروّجہ سیاست کے تو یقیناً 'معروف' طور طریقے ہیں لیکن (ہلکے سے ہلکے انداز میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ) ع "ایں حال نیست 'داعیٔ' عالی مقام را!"-

اس کے بعد کی مصالحتی مساعی کے ضمن میں بھی بہت سی کہانیاں عام ہوئیں --- یہاں تک کہ صریح کذب بیانی اور دروغ گوئی کے الزام بھی لگے ------ لیکن چونکہ ان کا حتمی علم سوائے علّام الغیوب تبارک وتعالیٰ کے اور کسی کو نہیں ہو سکتا، لہٰذا ہم اُن سب سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آخر میں صرف اُس بات کی جانب اشارہ کرنا چاہتے ہیں جس پر تفصیلی گفتگو اجتماع ماچھی گوٹھ کی روداد کے سلسلے میں

---

[1] اس کی جو تفصیل حال ہی میں مولانا عبدالغفار حسن صاحب کی زبانی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ: یہ جنوری ۵۷ء کی کوئی تاریخ تھی، اور زوردار بارش ہو رہی تھی، کہ مرکز کی گاڑی کا ڈرائیور میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ "میاں طفیل محمد، جناب نعیم صدیقی اور ملک نصراللہ خاں عزیز گاڑی میں بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں ------ فوراً اصلاحی صاحب کے پاس چلنا ہے"۔ وہاں پہنچے تو طفیل صاحب نے مولانا مودودی کا استعفاء پڑھ کر سنایا جس پر نعیم صاحب کمبل میں منہ چھپا کر سسکیاں لینے لگے ------ لیکن مولانا اصلاحی نے فرمایا: "اس کی خبر نہ کسی رکنِ جماعت کو دیں، نہ اخبارات کو، بلکہ بذریعہ ٹیلی گرام شوریٰ کا اجلاس طلب کر لیا جائے!" ------ لیکن واپسی پر جب نعیم صاحب مرکز پہنچے تو انہوں نے یہ اعلان کیا کہ: "میں جماعت کی رکنیت سے استعفاء دیتا ہوں، اور چونکہ اب میں نظم کا پابند نہیں رہا لہٰذا میرے لئے ارکانِ جماعت کو مولانا کے استعفے کی خبر پہنچانے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے!" اور پھر فون اٹھایا اور مختلف ارکانِ جماعت کو اطلاع دینی شروع کر دی ------ شام کو میاں طفیل محمد صاحب کا خط بھی آ گیا کہ "چونکہ ارکان جماعت کو سینہ بہ سینہ خبر پہنچ چکی ہے، لہٰذا اب اخفاء کی کوشش عبث ہے، لہٰذا میں استعفے کی خبر اخبارات کو بھی دے رہا ہوں!"

'نقضِ غزل' کے اُس حصّے میں ہو چکی ہے جو اسی شمارے میں شائع ہو رہا ہے ------
یعنی یہ کہ اوّلاً مولانا مودودی کو اپنی قرارداد میں مولانا اصلاحی کا اضافہ ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے تھا' اور مولانا اصلاحی کو پورا موقع دینا چاہئے تھا کہ وہ اپنے قول کے مطابق مولانا کی قرارداد کے بالمقابل دسمبر کی شوریٰ والی قرارداد کو پیش کرتے اور اس طرح دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی جُدا ہو جاتا------ ثانیاً جب انہوں نے اپنی قرارداد میں مولانا اصلاحی کی ترمیم قبول کر لی تھی تو اب یہ اُن کی ذاتی قرارداد نہیں رہی تھی بلکہ اس نے دوبارہ ایک 'مصالحتی فارمولے' کی صورت اختیار کر لی تھی' لہٰذا اس میں ترمیم بھی فریقین کی رضامندی ہی سے ہونی چاہئے تھی' جس کے لئے شوریٰ کا اجلاس طلب کیا جانا چاہئے تھا تاکہ مولانا اصلاحی کو بھی دوبارہ پورا موقع مل جاتا کہ اپنا موقف اور لائحۂ عمل از سرِ نو معیّن کر لیں'------ لیکن افسوس کہ اس مرحلے پر مولانا مودودی نے اچانک مبارزت طلبی کی وہ صورت اختیار کر لی' جو اس کے بعد سے اُن کے ہر اقدام اور ہر لفظ سے مترشّح ہوتی رہی۔

الغرض' بات کو کھولا جائے تو قدم قدم پر "ناطقہ سر بگریباں ہے' اسے کیا کہیئے!"--- اور "خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا لکھیئے!" والا معاملہ نظر آتا ہے اور لسان العصر اکبر الٰہ آبادی کے اس فلسفیانہ شعر کے مصداق کہ ؎ "جہاں ہستی ہوئی محدود' لاکھوں پیچ پڑتے ہیں۔ عقیدے' عقل' منطق' سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں!" مولانا مودودی کی رائے' قول اور عمل سب ایک دوسرے سے دست و گریباں نظر آتے ہیں۔ اور "ہاتھی کے پاؤں میں سب کے پاؤں" کے مطابق سو بات کی ایک بات درکار ہو تو یہ سب کچھ نتیجہ ہے اِس کا کہ تاسیسِ جماعت کے موقع پر مولانا مودودی نے اپنے اصل خیالات و نظریات کے برعکس ایک ایسی تنظیمی ہیئت اختیار کر لی جس کو وہ نہ ذہناً قبول کر سکے نہ عملاً------ جس کے نتیجے میں خود اُن کی برسہا برس کی محنتِ شاقّہ کو جو نقصان پہنچا' اور انہیں خود اپنے ہی ہاتھوں محنت و مشقت سے کاتا ہوا سُوت جس طرح تار تار کر دینا پڑا' اس سے قطع نظر تجدید و احیائے دین کی تحریک اور اقامتِ دین کی سعی و جہد کو شدید نقصان پہنچا--- فاعتبروا یا اولی الابصار!!

دوسری طرف اس 'نقضِ غزل' کی ذمہ داری کا کم از کم ۲۵فی صد حصہ مولانا امین احسن اصلاحی پر بھی عائد ہوتا ہے - اور وہ اس لئے کہ انہوں نے مولانا مودودی کے ساتھ مسلسل کئی سال کی کھینچ تان کے بعد جو پیچ در پیچ دستوری فارمولا طے کرایا تھا' وقت آنے پر اس کے منطقی تقاضوں کو پورا کرنے سے خود بھی کامل گریز کیا-

اس سلسلے میں 'الحمد للہ کہ 'ہم نے اپنی تیئس۲۳ برس قبل کی تحریر میں بھی جو 'میثاق' میں دسمبر ۶۶ء میں اُس وقت شائع ہوئی تھی جب 'میثاق' مولانا اصلاحی کے "زیر سرپرستی" شائع ہوا کرتا تھا' واضح کر دیا تھا کہ ہمارے نزدیک جائزہ کمیٹی کے ارکان پر مولانا مودودی کے الزام نامے 'اس پر مولانا اصلاحی کے مدلّل تعاقب' اور اس کے جواب میں مولانا کے امارتِ جماعت سے استعفٰے کے اعلانِ عام کے بعد مولانا اصلاحی کی مصالحت پر آمادگی اور مصالحت کنندگان کی مساعی کے ساتھ تعاون ناقابل فہم ہے- "اور مستقبل کے مؤرخ کے لئے یہ حق باقی رہ جاتا ہے کہ وہ چاہے تو اُن کے طرزِ عمل کو انتہائی دردمندانہ اور مخلصانہ صلح جوئی کا نتیجہ قرار دے لے اور چاہے تو کمزوری پر محمول کر لے!" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو 'میثاق' جنوری ۹۰ء صفحات ۸۲ تا ۸۶)

راقم الحروف کو اچھی طرح یاد ہے کہ اجتماع ماچھی گوٹھ کے لئے روانگی سے چند یوم قبل راقم نے لاہور میں مولانا اصلاحی سے ملاقات کی اور جب یہ معلوم ہوا کہ مولانا ظفر احمد انصاری نے اجتماعِ ارکان سے قبل اپنی ایک مصالحتی کوشش کے ضمن میں مولانا سے کچھ وعدے لے لئے ہیں تو راقم نے اُن سے صاف عرض کیا کہ: "مولانا! اب حالات جہاں تک پہنچ گئے ہیں ان کا تقاضا تو یہ ہے کہ آپ ماچھی گوٹھ کے اجتماع میں مولانا مودودی پر عدم اعتماد کی قرارداد لے کر کھڑے ہوں!"---اس پر مولانا نے گہرے تأثر کے ساتھ فرمایا: "یہ ممکن نہیں ہے' اس لئے کہ یہ جماعت سوائے مولانا مودودی کے اور کسی شخص کی امارت میں چل ہی نہیں سکتی!" جس پر میری زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے کہ: "پھر آپ نے جماعت کے دستور میں جمہوریت کے تقاضوں کو سمونے کی سعیِ لاحاصل کیوں کی تھی؟"--- اور اس پر مولانا خاموش ہو کر رہ گئے!

(باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا ۰

نقضِ غزل

حصّہ دوم

یعـــنی

اجتماعِ ماچھی گوٹھ اور اس کے بعد

النّحل: ۹۲

اور اس عورت کے مانند نہ بن جاؤ جس نے مضبوطی سے

کاتا ہوا سوت ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ـــــ!

○ اجتماعِ ماچھی گوٹھ

'نقضِ غزل' کی پانچویں قسط جو 'میثاق' فروری ۶۷ء میں شائع ہوئی تھی۔

(حالیہ تحریر پر جو سانحۂ 'نقضِ غزل' کے ۳۲ برس بعد سپردِ قلم کی گئی)

○ اجتماعِ ارکان کی بقیہ رُوداد

○ مولانا مودودی کی قرارداد اور تقریر
○ مولانا اصلاحی کا خطاب
○ قرارداد اور اس کی ترمیمیں
○ نعیم صدیقی صاحب کی جانب سے مولانا اصلاحی کا تعاقب
○ صورتِ حال کا تجزیہ
○ مؤلف کی متبادل قرارداد اور اس کا حشر
○ دیگر قراردادیں اور تقاریر
○ ملتوی شدہ قرارداد اعتماد اور
امارتِ جماعت سے استعفےٰ کی واپسی کے لیے مولانا مودودی کی شرائط

○ اجتماعِ ماچھی گوٹھ کے بعد
○ مولانا اصلاحی اور دیگر اکابر کی علیحدگی
○ 'نقضِ غزل' کا حاصل

نوٹ:

ارادہ تھا کہ دو اہم تاریخی دستاویزات کو بھی یعنی (۱) امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا استعفیٰ از رکنیت جماعت اور (۲) مولانا امین احسن اصلاحی کا وہ وضاحتی خط جس میں مولانا نے رکنیتِ جماعت سے اپنے استعفے کے وجوہ و اسباب پر روشنی تھی، 'میثاق' کے اسی شمارے میں شامل کیا جاتا لیکن اس شمارے کی ضخامت معمول سے بڑھ جانے کے باعث ان کی اشاعت کو سرِدست کسی آئندہ اشاعت کے لیے مؤخر کرنا پڑ گیا ہے

(ادارہ)

اجتماعِ ماچھی گوٹھ اور اس کے بعد

(۱)

'نقضِ غزل' کی پانچویں قسط جو 'میثاق' فروری ۶۷ء میں شائع ہوئی تھی

ماچھی گوٹھ

ع آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے!

۵۳ء میں لاہور کے ایک مشہور صحافی [1] نے جماعت اسلامی کے بارے میں لکھا تھا:-

"کیا عجب کہ یہ تحریک بھی جو پٹھان کوٹ سے شروع ہوئی ہے، بالاکوٹ پر ختم ہو جائے"۔

راقم الحروف کو جو اُس وقت اسلامی جمعیت طلبہ کا رکن اور اس کے ایک پندرہ روزہ پرچے "عزم" کا مدیر تھا، اتفاق سے انہی دنوں بالاکوٹ کے سفر کا موقع ملا۔ شہدا کی قبروں پر فاتحہ خوانی کے وقت ذہن اچانک مندرجہ بالا خیال کے جانب منتقل ہو گیا۔ اس کے جواب میں جو جذبات دل میں پیدا ہوئے وہ الفاظ کا جامہ پہن کر صفحۂ قرطاس پر منتقل ہو گئے۔

"اگر واقعی ایسا ہو جائے تو کیا یہ ناکامی ہوگی؟

کون کہہ سکتا ہے کہ ہندوستان کی پہلی اسلامی تحریک ناکام ہوئی؟

بالاکوٹ کا ذرہ ذرہ شہادت دے رہا ہے کہ جنہوں نے یہاں نقدِ حیات ہاری ہے ان سے زیادہ نفع میں کوئی نہیں جنہوں نے یہاں جانیں دی ہیں وہی ہیں کہ جو حیاتِ جاوداں پا گئے۔ بالاکوٹ کی پشت پر کھڑا ایک مہیب پہاڑ شہادت دے رہا ہے کہ اس نے جو معرکہ آج سے سوا سو سال قبل اپنے دامن میں ہوتا دیکھا تھا اس سے زیادہ کامیاب معرکہ ہندوستان میں اسلام نے کبھی نہ لڑا۔ کنہار کی اچھلتی کودتی موجیں گواہی دیتی ہیں کہ جس خون نے آج سے سوا سو سال قبل انہیں سرخی عطا کی تھی وہی ہے کہ جس نے ہند میں اسلام کے پودے کو سینچا ہے۔ بالاکوٹ کی فضا کانوں میں سرگوشیاں کرتی ہے کہ اس کے سہمے سہمے سکوت میں درختوں کے

---

[1] شورش کاشمیری مرحوم

جھنڈ تلے جو چند نفوس آرام کر رہے ہیں وہی ہیں جو ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبان ہیں۔ وہی ہیں جو ہار کھا کر جیتے جن کی شکست میں کامرانی پوشیدہ تھی، جن کی شہادت میں حیات جاوداں مسکرا رہی تھی........... وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ○ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّ اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ○"

(ماخوذاز "عزم" ۱۰ر اگست ۵۳ء)

کاش واقعتہً جماعت اسلامی پاکستان کی تاریخ کسی بالاکوٹ کے مقامِ بلند تک پہنچ کر ختم ہوئی ہوتی ـــــ تاکہ اس کی یاد سے آنے والی نسلوں کے دلوں میں ایمان تازہ ہوتا اور جذبۂ اعلاءِ کلمۃ اللہ کے چشمے ابلتے رہتے ـــــ لیکن افسوس کہ اس کے برعکس یہ تحریک ریگ زارِ بہاولپور کے ایک دور افتادہ قریے ماچھی گوٹھ میں ایک ریگستانی ندی کی طرح جذب ہو کر رہ گئی۔ جہاں اس کے قائد نے اپنی بہترین صلاحیتیں اپنے ان دیرینہ ساتھیوں سے خیالی نبرد آزمائی میں صرف کیں جو کچھ اپنے خلوص کے باعث اور کچھ انتشار کے خوف کی بنا پر شکست کھانے کے لئے از خود تیار تھے ـــــ اور اس نبرد آزمائی میں 'حکمت عملی' کی مہارتِ تامہ کے ساتھ پس پردہ مصالحت اور بر سرِ عام دعوتِ مبارزت کا وہ کھیل کھیلا جس کی یاد بھی سخت نفرت انگیز اور کراہت آمیز ہے!

قائمقام امیرِ جماعت کی ہدایات............ 'مصالحت کنندگان' اجتماعِ ماچھی گوٹھ کو جس جذبے کے تحت منعقد کرنا چاہتے تھے اس کا اندازہ اس سرکلر سے کیا جا سکتا ہے جو قائمقام امیر جماعت کے دستخط سے ۱۶ر جنوری ۱۹۵۷ء کو جاری ہوا۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رفقاء محترم ـــــ! شوریٰ منعقدہ ماہ نومبر ۵۶ء کے بعد ہماری جماعتی زندگی میں بعض ایسے واقعات نمودار ہوئے ہیں جن کے واقع ہونے کی توقع نہ ہم کو تھی اور نہ جماعت کے باہر کے لوگوں کو تھی۔ ان واقعات سے بعض جگہ جماعت کا داخلی استحکام بھی متأثر ہوا ہے اور باہر کے لوگوں کی نگاہوں میں بھی ان سے جماعت کا وقار مجروح ہوا ہے۔ جو لوگ ہم سے حسنِ ظن

رکھتے تھے اور اس ملک کی اصلاح سے متعلق ہم سے امیدیں قائم کئے ہوئے تھے ان پر دل شکستگی اور مایوسی طاری ہوئی ہے اور جن کو ہم سے مخالفت تھی ان کو خوش ہونے اور ہمارے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا کافی مواد ان چند ہفتوں میں ہاتھ آیا ہے۔

میں سارے حالات کا جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ جو کچھ پیش آیا ہے اس کا بہت تھوڑا حصہ ہے جس کے پیش آنے کے لئے فی الواقع کوئی وجہ موجود تھی۔ اس کا بڑا حصہ ایسا ہے جس کے پیش آنے کی کوئی ادنیٰ وجہ بھی موجود نہیں تھی بلکہ چند لوگوں کی محض ناسمجھی، بے احتیاطی اور بدگمانی نے اس کے اسباب فراہم کر دیئے ہیں۔ بعض لوگوں نے شوریٰ کی کارروائیوں سے متعلق بالکل غلط اور بے بنیاد تأثرات دیئے۔ بعض لوگوں نے قرارداد کے متن کی ایسی تاویل کرنے کی کوشش کی جو اس کے منشاء کے خلاف تھی۔ بعضوں نے شوریٰ کے ارکان کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ ایسی مثالیں بھی موجود ہیں کہ بعض مقامات پر ذمہ داروں نے اپنے حقوق و اختیارات کے استعمال میں جلد بازی اور بے احتیاطی سے کام لیا۔ اسی طرح بعض نے شدّتِ تأثر میں اپنے جذبات پبلک پر ظاہر کر دیئے۔ ان ساری باتوں نے مل کر چند دنوں کے لئے جماعت کے مزاج کو اس طرح بگاڑ دیا کہ لوگوں کے ذہن ہر طرح کی باتیں قبول کرنے اور ہر طرح کی باتیں پھیلانے کے لئے بالکل بے قید ہو گئے اور شریعت اور اخلاق کے حدود کی بھی پرواہ بہت کم ہو گئی۔ یہ اللہ کا احسان ہے کہ یہ صورت ایک خاص رقبہ ہی کے اندر محدود رہی اور زیادہ متعدی نہ ہونے پائی تاہم ان چند ہفتوں کے اندر جو باتیں ہوئی ہیں وہ ہماری شفاف جماعتی زندگی کو داغدار کرنے والی ہیں اور اب ہم سب کا یہ فرض ہے کہ ہم ان داغوں کو مٹانے کی کوشش کریں اور آئندہ کے لئے اس طرح کی باتوں سے محفوظ رہنے کا عہد کریں۔

میں اس موقع پر ارکانِ جماعت کو چند ہدایات کرتا ہوں اور متوقع ہوں کہ وہ بلا تاخیر ان کا اہتمام کریں گے۔

۱..... ہر شخص جس سے اس موقع پر کوئی دانستہ یا نادانستہ بے احتیاطی صادر ہوئی ہے وہ اپنے آپ کو کوئی الاؤنس دیئے بغیر توبہ و استغفار کرے اور اپنے رویہ کی اصلاح کا عہد کرے۔

۲..... جس نے اپنے کسی دوسرے رفیق کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالی ہو وہ از خود کھلے دل سے اس سے معافی مانگ لے اور دوسرا کھلے دل سے اس کو معاف کر دے۔

۳.....اس سلسلہ کی ساری باتوں کو نسیاً منسیاً کر دیا جائے۔ نہ نجی مجلسوں میں ان کا کوئی چرچا کیا جائے نہ جماعتی اجتماعات میں ان کا کوئی ذکر ہو۔

۴.....جہاں جہاں دلوں میں کدورتیں پیدا ہوئی ہوں' وہاں اجتماعی تقریبات کے مواقع پیدا کر کے دلوں کے ملانے اور خوشگوار تعلقات بڑھانے کی صورتیں نکالی جائیں اور اس کام میں وہ ارکان رہنمائی کا فرض انجام دیں جو خوش قسمتی سے اس موقع پر ان آلائشوں سے پاک رہے ہیں۔

۵..... جماعت کی پالیسی سے متعلق بحث و مباحثہ بند کر کے ساری توجہ تعمیری و اصلاحی کاموں پر مرکوز کی جائے اور پالیسی و طریق کار کی بحث کو ہونے والے اجتماع ارکان پر چھوڑ دیا جائے۔

۶.....مقامی طور پر کارکنوں کی تربیت کے لئے انتظام کیا جائے۔

میں تمام رفقاء سے یہ توقع رکھتا ہوں کہ وہ ان ہدایات پر خلوص کے ساتھ عمل اور جماعت کو اس کی صحیح سمت میں موڑنے میں میرے ساتھ تعاون کریں گے۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے فتنوں سے امان میں رکھے اور ہم اپنے دماغ' زبان اور قلم کی ساری طاقتیں اس کے دین کی خدمت میں صرف کرنے کی توفیق پائیں۔

جن مقامات پر ضرورت محسوس ہو' وہاں ان باتوں کو متفقین تک بھی پہنچا دیا جائے۔

(دستخط) غلام محمد

قائمقام امیر جماعت اسلامی پاکستان"

'حزبِ اقتدار' کی تیاریاں.....اس کے برعکس مولانا مودودی اور ان کے سیکرٹریٹ نے اس 'معرکے' کو سر کرنے کے لئے جو تیاریاں کیں ان کا اندازہ مولانا امین احسن اصلاحی کے حسبِ ذیل بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

"پالیسی کے معاملہ میں ساری جماعت کو تو کوئی گفتگو کرنے سے روک دیا گیا' لیکن خود امیر جماعت پوری دھوم دھام کے ساتھ 'ترجمان' اور 'تسنیم' میں پالیسی سے متعلق اپنا نقطۂ نظر پیش کرتے رہے۔ اس مقصد کے لئے شوریٰ کی وہ کارروائیاں بھی شائع کی گئیں' جن کی اشاعت شوریٰ کی اجازت کے بغیر جائز نہیں تھی اور بعض اشخاص کے خلاف غلط تأثر دینے کے لئے ان کے دورانِ بحث کی نجی باتوں کی بھی تشہیر کی گئی۔ اس دوران میں امیر جماعت نے 'ترجمان' میں یہ اصول

بھی پیش فرمایا کہ نظریاتی حکمت اور ہوتی ہے اور عملی حکمت اور ہوتی ہے' جو لوگ ان کے قول و عمل کے تضاد پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس رمز کو نہیں جانتے کہ نظریہ جب عمل کا جامہ پہنتا ہے تو اس کی شکل کیا بنتی ہے۔ اس فلسفہ کو مدلّل کرنے کے لئے ایک مثال بھی پیش کی گئی کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر مساوات کا درس دیتے رہے لیکن وفات کے وقت الائمۃ من قریشؐ کہہ کر خلافت اپنے خاندان والوں کے سپرد کر گئے"۔

حقیقی عزائم..... ان تیاریوں کے پیچھے جو عزائم کارفرما تھے ان کا کسی قدر اندازہ اس گفتگو سے کیا جا سکتا ہے جو ماچھی گوٹھ کے لئے روانگی کے موقع پر مولانا مودودی اور چودھری غلام محمد صاحب کے مابین ہوئی۔ یہ گفتگو راقم الحروف کو حکیم عبدالرحیم اشرف صاحب نے سنائی اور ان سے اس کا تذکرہ خود چودھری صاحب نے ماچھی گوٹھ میں اس وقت کیا جب حکیم صاحب نے کسی بات پر مشتعل ہو کر اپنے اس ارادے کا اظہار کیا کہ وہ اجتماعِ ارکان میں اپنا اختلاف کھلم کھلا بیان کریں گے۔ حکیم صاحب راوی ہیں کہ چودھری صاحب نے مولانا مودودی سے سوال کیا کہ "مولانا! ماچھی گوٹھ میں کرنا کیا ہے؟" اس پر مودودی صاحب نے بے ساختہ فرمایا:۔ "میں ان لوگوں سے تنگ آ چکا ہوں اور اب مزید ان کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ انہیں ذلیل کر کے جماعت سے نکال دیا جائے!" چودھری صاحب کے لئے یہ بات بہت غیر متوقع تھی۔ چنانچہ پہلے تو وہ سکتے میں آ گئے اور پھر انہوں نے ریل کے ٹکٹ مولانا کے سامنے پھینک دیئے اور کہا:۔ "مولانا! یہ رہے ٹکٹ' آپ لوگ ماچھی گوٹھ جائیں اور جو چاہیں کریں۔ میں سیدھا کراچی جا رہا ہوں!" ۔۔۔ اپنے اس غالی معتقد اور انتہائی معتمد علیہ رفیق کو آمادۂ بغاوت دیکھ کر جس کے ہاتھ میں اُس وقت اتفاقاً بہت سے اختیارات بھی تھے مولانا مودودی نے کچھ توقّف کیا اور پھر کہا:۔ "اچھا تو پھر ان لوگوں کو ساتھ لے کر چلنے کی کوشش کریں گے!"

یہ واضح رہے کہ کچھ ہی دنوں پہلے مولانا مودودی 'حکمت عملی' پر ایک مبسوط تحریر لکھ کر شائع کر چکے تھے۔۔۔!!

اجلاس مرکزی شوریٰ..... اجتماع ارکان سے متّصلاً قبل ماچھی گوٹھ ہی میں مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی پاکستان کا ایک اجلاس منعقد ہوا' جس میں مولانا امین احسن اصلاحی بھی بطور خاص مدعو تھے۔

اس اجلاس میں کارروائی کی پہلی ہی شق پر ہنگامہ برپا ہو گیا اور میاں محمد طفیل صاحب نے بحیثیت معتمد مجلسِ شوریٰ کے گزشتہ دو اجتماعات کی روداد پڑھ کر سنائی تو شوریٰ کی واضح اکثریت نے ان پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے شوریٰ کی کارروائی کو غلط طور پر پیش کیا ہے اور وہ جماعت کے سب سے زیادہ با اختیار ادارے کے ریکارڈ میں تحریف کر کے جماعت کے ساتھ بدترین خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں۔۔۔ اس پر میاں صاحب نے بقول شخصے "اپنے روایتی انداز میں" زار و قطار رونا شروع کر دیا۔۔۔ اور شوریٰ کی کارروائی میں تعطّل پیدا ہو گیا۔ اس تعطّل نے طول کھینچا اور اجتماع ارکان بالکل سر پر آ پہنچا تو 'مخلص مصالحت کنندگان' پھر بر سرکار ہوئے اور ان کی کوششوں کے زیر اثر دوسری باتوں کو چھوڑ کر اس قرارداد پر غور شروع ہوا جو اجتماعِ ارکان میں پیش کرنے کے لئے مولانا مودودی نے مرتّب فرمائی تھی! اس پر جو کچھ ہوا وہ مولانا امین احسن صاحب کے الفاظ میں سنئے :-

"اس اجلاس میں پہلی [1] مرتبہ وہ قرارداد میرے سامنے آئی جو امیرِ جماعت اجتماعِ عام میں جماعت کے سامنے لانے والے تھے۔ اس قرارداد پر میں نے

---

[1] اس "پہلی مرتبہ" کے اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اجتماع ماچھی گوٹھ سے قبل لاہور میں 'مصالحت' کے سلسلے میں جو گفت و شنید ہوتی رہی تھی اس میں اولاً مولانا اصلاحی اس پر مصر رہے تھے کہ ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان میں دسمبر ۵۶ء والی شوریٰ کی متفقہ قرارداد ہی استصواب کے لئے پیش کی جائے۔ لیکن جب مصالحت کنندگان، خصوصاً مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے مولانا سے استدعا کی کہ وہ اس پر اصرار نہ کریں۔ اس قرارداد کے ساتھ بہت سی تلخ یادیں وابستہ ہو گئی ہیں اور یہ اب مولانا مودودی کے ذاتی وقار (Prestige) کا مسئلہ بن گیا ہے۔ آخر بعینہٖ اسی قرارداد پر کیا منحصر ہے، اگر وہی مفہوم دوسرے الفاظ میں ادا ہو جائے تو کیا حرج ہے! تو مولانا اصلاحی اس پر آمادہ ہو گئے کہ اسی مفہوم پر مشتمل کوئی دوسری قرارداد ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان میں پیش کر دی جائے۔ مولانا ظفر احمد انصاری صاحب نے مولانا کو یہ یقین دلایا کہ مولانا مودودی ماچھی گوٹھ میں پیش ہونے والی قرارداد پہلے ہی انہیں دکھا دیں گے اور ان دونوں کے اتفاق کے بعد ہی کوئی قرارداد اجتماعِ ارکان میں پیش ہو گی۔۔۔ ان پختہ یقین دہانیوں کے بعد مولانا انصاری تو اچانک غائب ہو گئے (اور پھر ان کی صورت ماچھی گوٹھ ہی میں نظر آئی) اور مولانا اصلاحی اس انتظار میں رہے کہ ماچھی گوٹھ میں پیش ہونے والی قرارداد انہیں دکھائی جائے گی۔۔۔، یہاں تک کہ اجتماع کا وقت آ پہنچا اور مولانا اصلاحی قرارداد کی زیارت کا اشتیاق ہی لئے ہوئے ماچھی گوٹھ پہنچ گئے۔۔۔ اور وہاں شوریٰ کے اجلاس میں "پہلی مرتبہ" انہیں اس کی زیارت نصیب ہوئی!

نہایت سخت الفاظ میں تنقید کی۔ میں نے شوریٰ کو بتایا کہ اگر آپ لوگ اس قرارداد کو اجتماع عام میں لائیں گے تو میں دسمبر والی شوریٰ کی قرارداد جماعت کے سامنے پیش کروں گا اور امیر جماعت اور ان کے اصحاب نے اس قرارداد کو دفن کرنے کے لئے جو مہمّیں چلائی ہیں اور جو اقدامات کئے ہیں وہ سب اجتماع عام میں بیان کروں گا۔ میرے یہ مؤقف اختیار کر لینے کے بعد شوریٰ میں تعطل پیدا ہو گیا۔ اس کے بعد اکثر ارکان شوریٰ مجھ سے ملے اور اس صورت حال کے پیدا ہو جانے پر اپنی پریشانی کا اظہار کیا۔ میں نے ان کو یہ بھی بتایا کہ میری تقریر کے وقت میرے ہاتھ میں قرآن ہو گا اور میں اپنے داہنے امیر جماعت کو بٹھاؤں گا اور بائیں قائمقام امیر جماعت چودھری غلام محمد صاحب کو' یہ دونوں حضرات میری جس بات کو کہہ دیں گے کہ یہ جھوٹ ہے ، میں بغیر کسی حجّت کے اس کو واپس لے لوں گا۔ مگر جماعت کے بزرگوں نے مجھے باصرار ایسا کرنے سے روکا کہ اس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو جائے گا۔

بالآخر چوبیس گھنٹوں کے بعد باقر خان صاحب میرے پاس قرارداد لے کر آئے اور یہ کہا کہ امیرِ جماعت فرماتے ہیں کہ اگر تم اس میں کوئی لفظی ترمیم کرنا چاہتے ہو تو وہ تجویز کرو' اس پر غور کر لیا جائے گا لیکن کسی بنیادی ترمیم کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ میری تقریر تیار ہو چکی ہے۔ کسی لفظی ترمیم سے میرا مدّعا حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس وجہ سے اس پیشکش کو قبول کرنا میرے لئے ناممکن تھا' لیکن محض اس خیال سے میں نے ناممکن کو ممکن بنایا کہ امیرِ جماعت کی ضد کے باوجود میں کوئی ایسی بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا جس سے جماعت میں انتشار پیدا ہو۔ چنانچہ میں نے قرارداد میں بعض لفظی ترمیمات کر کے اس کو جماعت کے اصل نصب العین کے قریب بنانے کی کوشش کی۔ امیر جماعت اور شوریٰ نے کچھ ردّوقدح کے بعد میری یہ ترمیم قبول کر لی" ۔[1]

اس طرح خدا خدا کر کے تعطّل دور ہوا اور کچھ بھلے لوگوں کی سر توڑ محنت سے بظاہر ایسی صورت بن گئی کہ اجتماع ارکان میں جماعت کی سابقہ اور آئندہ پالیسی کے بارے میں مرکزی مجلسِ شوریٰ کی جانب سے ایک متفقہ قرارداد مولانا مودودی پیش کریں گے ـــــ ساتھ ہی یہ بھی طے

---

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھئے

کرلیا گیا کہ اجتماع ارکان میں مولانا مودودی پر اظہارِ اعتماد کی قرارداد پیش کی جائے گی جس کی سب تائید کریں گے۔ چنانچہ مولانا اپنا استعفیٰ واپس لے لیں گے۔ اللہ اللہ خیر سلّا' رہے عام ارکانِ جماعت تو ان کے بارے میں غالباً یہ کافی خیال کیا گیا کہ انہیں کچھ رپورٹیں اور کچھ تقریریں سنوا کر رخصت کر دیا جائے' پالیسی سے متعلق اختلافی بحثوں میں انہیں الجھانے سے سوائے انتشار کے اور کچھ حاصل نہ ہو گا.....!

——— اس طرح ایک مرتبہ پھر جماعت کے اربابِ حلّ وعقد میں جماعت کی پالیسی کے بارے میں 'اتفاق واتحاد' پیدا ہو گیا——رہی یہ بات کہ یہ اتحاد سطحی تھا یا گہرا—— اور حقیقی تھا یا مصنوعی تو ظاہر ہے کہ اس کا علم سوائے ارکانِ شوریٰ (یا جماعت سے بالکل باہر کے ایک شخص یعنی مولانا انصاری) کے اور کسی کو نہ تھا۔ جماعت کے عام ارکان تو دور رہے ان لوگوں کے سامنے بھی جو ان مسائل میں پوری طرح الجھے ہوئے تھے لیکن رکن شوریٰ نہ تھے معاملے کی جو صورت آئی اس کا اندازہ ان الفاظ سے کیا جا سکتا ہے جو راقم الحروف نے بعد میں اپنے استعفیٰ میں تحریر کئے :-

"ماچھی گوٹھ حاضر ہوا تو جس چیز کا خدشہ تھا وہی ہوا۔[1] کلہیا میں گڑ پھوڑا جا چکا تھا۔ ایک متفقہ قرارداد شوریٰ کی طرف سے اجتماعِ ارکان میں پیش ہونی تھی' اجتماع کا سارا پروگرام ایک سوچی سمجھی سکیم کے ساتھ اس طرح بنایا جا چکا تھا کہ اول تو کوئی اختلافی آواز اٹھائی ہی نہ جا سکے۔ اور اٹھے بھی تو پوری طرح محبوس ہو کر! میں یہاں منتظمینِ اجتماع کی نیتوں پر حملہ نہیں کرنا چاہتا۔ انہوں نے جو کچھ کیا انتہائی خلوص کے ساتھ 'اھون البلیّتین' کے مشہور و معروف فلسفے کے

حاشیہ متعلق بہ صفحہ سابقہ :

لیکن جیسا کہ بعد میں ثابت ہوا مولانا نے یہ ترمیم دل سے قبول نہ کی تھی بلکہ اسے صرف مصلحتِ وقت کا تقاضا سمجھ کر مجبوراً قبول کیا تھا۔ اس لئے کہ اس موقع پر ان کے فعال نائبین میں سے ایک دوسری انتہائی اہم شخصیت یعنی ——— محمد باقر خان مرحوم آمادۂ بغاوت ہو گئے تھے! ——— ضرورت کے وقت خم کھا جانا——اور پھر موقع دیکھ کر خم ٹھونک کر میدان میں آ جانا مروّجہ دنیوی سیاست کے اعتبار سے کامیابی کے ناگزیر لوازم میں سے ہے——یہ دوسری بات ہے کہ ؏

ایں حال نیست صوفیٔ عالی مقام را!

[1] ملاحظہ ہو راقم الحروف کا وہ خط جو اس نے قائم مقام امیر جماعت کے توسط سے مرکزی مجلس شوریٰ کو لکھا۔

تحت ایک بہت بڑے شر یعنی جماعت کے انتشار سے بچنے کے لئے کیا۔ لیکن یہ بھی بہرحال اپنی جگہ ایک واقعہ ہے کہ اجتماع کو جس طرح CONDUCT[1] کیا گیا اس میں کسی اختلافی آواز کا اٹھنا خصوصاً ایسی حالت میں کہ 'اکابرین' میں سے تو کوئی میدان میں رہا ہی نہیں تھا چند بے وقعت 'اصاغرین' باقی تھے ممکن نہ تھا....."

اجتماعِ ارکان

ڈاکٹر عثمانی صاحب کا نعرۂ حق..... اجتماعِ ارکان کی پہلی نشست کا آغاز ہوا ہی تھا کہ کراچی کے درویش منش رکن ڈاکٹر سید مسعود الدین حسن عثمانی دہائی دیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے مطالبہ کیا کہ سب سے پہلے انہیں اس کا موقع دیا جائے کہ وہ اپنی اس تحریر کو پڑھ کر سنا دیں جو انہوں نے قائمقام امیر جماعت کے توسط سے مرکزی مجلس شوریٰ کو ارسال کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کی جرأتِ ایمانی کا مظاہرہ کچھ ایسے طریقے سے ہوا کہ منتظمینِ اجتماع نے بے چون وچرا ان کو اپنی تحریر پڑھ کر سنانے کی اجازت دے دی۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس تحریر میں مرکزی مجلس شوریٰ کے وسط جنوری کے اجلاس کے بعض فیصلوں سے شدید اختلاف کیا اور زیر انعقاد اجتماعِ ارکان کے سلسلے میں کچھ تجاویز پیش کیں' ساتھ ہی قیمِ جماعت کے اس بیان پر شدید تنقید کی جو انہوں نے سعید ملک صاحب کے بیان کے جواب میں دیا تھا اور مولانا مودودی کے اس اقدام کے سلسلے میں وضاحت طلب کی جو انہوں نے ارکانِ جائزہ کمیٹی کے خلاف کیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کا موقف یہ تھا کہ یہ طریقہ کہ امیرِ جماعت' جماعت کے آج تک کے اختیار کردہ طریق کار کی پوری تاریخ بیان کریں اور آئندہ کی پالیسی کے بارے میں ایک قرارداد پیش کریں ـــ جماعت کی سابقہ روایات کے بالکل خلاف ہے اور موجود حالات میں اس سے بدگمانی اور سوءِ ظن کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اس کے برعکس ہونا یہ چاہئے کہ شوریٰ نومبر دسمبر ۵۶ء کی متفقہ قرارداد ہی کو اس اجتماعِ ارکان میں استصواب کے لئے پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کے اپنے الفاظ میں:

"اس زمانے میں جب کہ شیطان نے ہمارے داخلی استحکام کو منہدم کرنے کے

---

[1] اس کی تفصیلات آئندہ بیان ہوں گی۔

لئے بھرپور حملہ کیا تھا اور جب کہ شیطان کو یہ موقع پوری طرح مل گیا تھا کہ وہ جماعت میں اعتماد اور حسنِ ظن کی فضا کو مسموم کر دے ، اِس امر کی سخت ضرورت تھی کہ جماعت کے ہونے والے کُل پاکستان اجتماع میں مسائل اور معاملات پیش کرنے کے لئے ایسا طریقِ کار تجویز کیا جاتا جو ہر شک وشبہ سے بالاتر ہوتا..... لیکن مجلس شوریٰ کے تجویز کردہ طریق کار پر غور کرنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں غور وفکر کا پورا حق ادا ہونے سے رہ گیا ہے..... ہم بہرحال اپنے اکابر کے سلسلے میں حسنِ ظن سے کام لینے کے عادی رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ موجودہ غیر معمولی حالات میں حسن ظن کی انتہائی حد کو کام میں لانے کے باوجود دل کو اطمینان حاصل نہیں ہوتا..... "

"یہ امر بھی انتہائی تشویش کا باعث ہے کہ مجلس شوریٰ نے اس قرارداد کو جو شوریٰ کے اجلاس منعقدہ نومبر دسمبر میں پندرہ یوم کے غور وخوض کے بعد متفقہ طور پر منظور کی گئی تھی ارکان کے اجتماع کے آغاز سے کالعدم قرار دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس سلسلے میں جو وجوہ بیان کئے گئے ہیں وہ کسی طرح دل کو مطمئن نہیں کرتے..... میری ناقص رائے میں اگر اب بھی اسی قرارداد کو ارکان کے اجتماع میں فیصلے کیلئے پیش کیا جائے تو یہ بہت ہی مناسب ہو گا..... "۔

اپنی تحریر کو پڑھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب جذبات سے بہت زیادہ مغلوب ہو گئے اور شدتِ تأثر میں ان کی آواز بھی گلو گیر سی رہی۔ نتیجۃً ان کی بات عام ارکانِ جماعت میں سے تو شاذ ہی کسی کی سمجھ میں آئی۔ رہے وہ لوگ جن کا سمجھنا مفید ہو سکتا تھا تو وہ سب کچھ سمجھ کر بھی نہ سمجھنے کا تہیہ کیے ہوئے ہی تھے! بہرحال اپنی طرف سے ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس فرض کو ادا کرنے کی بھرپور کوشش کی جس کے بارے میں خود ان کے الفاظ یہ ہیں:

"حالات کی نزاکت کے پیش نظر میں اپنے آپ کو اس بات پر مجبور پاتا ہوں کہ اس فرض کی ادائیگی کے لئے اٹھ کھڑا ہوں جس کا اقرار میں نے جماعت کے ساتھ خدا کو حاضر ناظر جان کر کیا تھا..... ایک دن ضرور آئے گا کہ ظاہر وباطن سے سارے پردے اٹھ جائیں گے اور اس روز میں اپنی اس کوشش کو اپنے پروردگار کے سامنے رسوائی سے بچنے کا ذریعہ بناؤں گا"۔

آخرت میں ڈاکٹر صاحب اپنی اس حق گوئی کا جو اجر چاہیں پائیں' جماعت اسلامی

پاکستان کے کل پاکستان اجتماعِ ارکان میں بہرحال ان کی کوئی شنوائی نہ ہوئی اور اجتماع کی کارروائی طے شدہ پروگرام کے مطابق جاری رہی۔ چنانچہ اس کے بعد قیّم جماعت نے ایک مفصّل رپورٹ پڑھ کر سنائی اور اجتماع کی ایک پوری نشست اس کے نذر ہوگئی۔

امیرِ جماعت پر اظہارِ اعتماد..... قیّم جماعت کی رپورٹ کے بعد سب سے پہلے مولانا مودودی پر اظہارِ اعتماد اور ان سے استعفاٰ واپس لینے کی درخواست پر مشتمل قرارداد پیش ہوئی اور اس پر دھواں دھار تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا' جو اکثر و بیشتر ان ہی مضامین پر مشتمل تھیں جو کسی بھی اظہار اعتماد کی قرارداد میں ہوتے ہیں یعنی مولانا مودودی کی تعریف و توصیف اور اقامتِ دین کے لئے ان کی سعی وجہد کو خراج تحسین اور ان کے تدبّر اور فہم وفراست پر کامل اعتماد کا اظہار۔ اس خیال سے کہ جماعت کے اربابِ حل وعقد کے مابین اختلاف وانتشار کی خبروں سے جو تشویش عام ارکانِ جماعت کے قلوب واذہان میں پیدا ہوگئی ہے اس کو کم کیا جائے، اس قرارداد پر ان لوگوں سے بطور خاص تقریریں کرائی گئیں جن کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کو مولانا مودودی سے اختلاف ہے ـــــ ان حضرات نے اگرچہ اپنی حد تک اپنی تقریروں میں محتاط الفاظ استعمال کئے ـــــ اور بعض مواقع پر ذو معنی باتیں بھی کہیں جن کا اصل مفہوم یا وہ خود جانتے تھے یا مولانا مودودی اور یا وہ چند لوگ جو پورے پس منظر سے باخبر تھے۔ لیکن عام ارکان جماعت نے ان کو بہرحال ان کے ظاہری مفہوم ہی پر محمول کیا۔ اور یہی اس وقت سب کا مطلوب و مقصود بھی تھا ـــــ

مولانا اصلاحی نے اس قرارداد پر جو تقریر کی وہ فن خطابت کا ایک حسین مرقع تھی اور اس میں ان کا تخاطب بظاہر تمام شرکائے اجتماع سے لیکن دراصل صرف مولانا مودودی سے تھا۔ اپنی اس تقریر میں مولانا نے دراصل مولانا مودودی کو اس امر پر سرزنش کی تھی کہ اقامتِ دین کے لئے لوگوں کو بلانے اور انہیں اپنے اپنے ماحول و مشاغل سے منقطع کرنے کے بعد اب ان کا یہ رویہ بالکل غلط ہے کہ ساتھیوں اور رفیقوں کے مشوروں کو بالکل نظرانداز کر کے صرف اپنی من مانی کرنے پر اصرار کریں اور ان کی جانب سے معمولی سے اظہارِ اختلاف اور ذرا سی تنقید پر استعفاٰ کی دھمکیاں دینی شروع کر دیں۔ اسی سلسلۂ کلام میں جب انہوں نے عام ارکانِ جماعت سے خطاب کرتے ہوئے کچھ اس طرح کے الفاظ کہے کہ :

" آپ لوگ چاہیں تو مولانا مودودی کے پاؤں پڑیں اور چاہیں تو ان کا دامن پکڑنے کی کوشش کریں لیکن میں ان کا گریبان پکڑ کر ان سے سوال کرتا ہوں کہ

سب کو جمع کر کے اب وہ خود کہاں جانا چاہتے ہیں"۔

توظاہر ہے کہ اس کا اصل مفہوم صرف مولانا مودودی ہی سمجھ سکتے تھے!

یہ سلسلہ جاری ہی تھا کہ راقم الحروف سٹیج پر حاضر ہوا اور اس نے اولاً ان لوگوں کے طرزِ عمل پر اظہارِ حیرت کیا جن کے بارے میں اسے یہ معلوم تھا کہ وہ مولانا مودودی کے نقطۂ نظر سے شدید اختلاف رکھتے ہیں اور ان کے دلوں میں اب واقعتہً مولانا مودودی کے لئے کوئی احترام باقی نہیں رہ گیا ہے کہ وہ کس طرح اس قرارداد کی تائید میں تقریریں کر رہے ہیں۔ اس پر منتظمینِ اجتماع اور دوسرے لوگوں میں سے خصوصاً نعیم صدیقی صاحب نے شور مچایا کہ اس قسم کی باتیں اس موقع پر نہیں کہی جاسکتیں، جس کو بھی ایسی کوئی بات کہنی ہے وہ اس نشست میں کہے جو احتساب کے لئے مخصوص کی گئی ہے[1] —— مجبوراً میں نے اس بات کو یہیں چھوڑ کر ضابطے اور قاعدے کی بات پیش کی کہ:

"یہ اجتماعِ ارکان اس غرض سے بلایا گیا تھا کہ ارکان جماعت پالیسی اور طریقِ کار کے بارے میں مختلف نقطہ ہائے نظر کا جائزہ لے کر آئندہ کیلئے اپنا لائحہ عمل طے کریں گے۔ اس اجتماع کی ابتداء کسی بھی شخص پر اظہارِ اعتماد کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے۔ کجا ان امیرِ جماعت پر جو ازیومِ تاسیس تا امروز جماعت کی امارت کے منصب پر فائز رہے ہیں اور جماعت کے موجودہ طریق کار سمیت اس کی آج تک کی تمام پالیسی ان ہی کے ذہن کی تخلیق ہے۔ ان پر اظہار اعتماد کی قرارداد منظور ہوجانے کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ اجتماعِ ارکان ان کی جملہ پالیسیوں کی بھی توثیق کر رہا ہے —— پھر کسی مزید بحث و تمحیص کا جواز کیا باقی رہ جائے گا؟"۔

میری یہ بات اس وقت تو نقار خانے میں طوطی کی صدا ہو کر رہ گئی —— اور میرے بعد پھر اظہار اعتماد سے بھرپور تقاریر کا سلسلہ شروع ہو گیا لیکن کچھ دیر بعد خود مولانا مودودی سٹیج پر آئے اور انہوں نے راقم الحروف کا نقطۂ نظر قبول کر کے قرارداد پر غور اور بحث کو ملتوی کر دیا۔

---

[1] ظاہر بات ہے کہ اگرچہ میری اس تنقید کا براہ راست ہدف وہ بزرگ ارکان جماعت تھے جو پالیسی اور طریق کار کے بارے میں وہی نقطۂ نظر رکھتے تھے جو میرا تھا لیکن اگر میری یہ بات بڑھنے دی جاتی تو اس سے اجتماع کا رخ بالکل تبدیل ہو جاتا۔ اور اتحاد و اتفاق کا سارا ملمع اسی موقع پر اتر کر رہ جاتا —— اور کیا عجب کہ پورے ڈرامے کا ڈراپ سین اسی وقت ہو جاتا —— لہٰذا لطف کی بات یہ ہے کہ اس موقع پر بزرگ اصحاب اختلاف کی جانب سے مدافعت ان صاحب (نعیم صدیقی) نے کی جنہوں نے بعد میں خود اپنی تقریر میں انہیں امراضِ دماغی میں مبتلا قرار دیا ——

یہاں 'نقضِ غزل' کا وہ حصہ ختم ہو گیا جو اب سے تئیس (۲۳) سال قبل ۶۷ـ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا تھا۔ جب اُن تلخ حوادث و واقعات پر صرف دس (۱۰) برس گزرے تھے جن پر جماعت اسلامی کی تاریخ کا یہ تاریک باب مشتمل ہے۔ لہٰذا 'محافظ خانۂ ذہن' کی فائلیں بھی ابھی 'بند' (Close) نہیں ہوئی تھیں اور 'نہاں خانۂ قلب' کے داغ بھی تازہ تھے ـــــ مزید برآں اس وقت تک ان حوادث و واقعات کے ذمہ دار اور متأثرین سب بقیدِ حیات تھے' چنانچہ جب اُن کی جانب سے کسی بات کی تردید یا تصحیح نہیں ہوئی تو گویا بالواسطہ توثیق و تصدیق ہو گئی ـــــ ویسے بھی 'نقضِ غزل' کی شائع شدہ اقساط کا اکثر و بیشتر حصہ بعض 'دستاویزات' پر مشتمل تھا جن کی تردید یا تکذیب کا امکان خارج از بحث ہوتا ہے!

البتہ ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان کے بقیہ اور اصل حصے کی روداد اور اس کے بعد کے حوادث و واقعات کا معاملہ مختلف ہے۔ اس لئے کہ کُل دو (۲) دستاویزات کے سوا جن کا ذکر بعد میں آئے گا' اُن کا کوئی تحریری ریکارڈ نہ راقم الحروف کے پاس موجود ہے نہ اُس کے علم کی حد تک کسی اور کے پاس!۔ لہٰذا ان کے ضمن میں کُل انحصار یادداشت پر کرنا ہو گا جس میں کم از کم واقعات کی زمانی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کی حد تک خطا کا امکان یقیناً موجود ہے!

اس امکان کو 'تا حدِ امکان' کم کرنے کے لئے راقم نے اپنی شدید علالت کے باوجود ماہ جنوری ۹۰ء کے دوران متعدد "بقیۃ السلف" حضرات سے ملاقات کی۔ اور اس کے لئے بعض سفر بھی بطور خاص اختیار کئے۔ چنانچہ فیصل آباد جا کر مولانا عبد الغفار حسن اور حکیم عبد الرحیم اشرف سے ملاقات کا شرف حاصل کیا' قصور جا کر جناب ارشاد احمد حقانی سے گفتگو کی۔ جناب مصطفیٰ صادق نے کرم فرمایا کہ جیسے ہی میری خواہش اُن کے علم میں آئی وہ خود تشریف لے آئے (اور واقعہ یہ ہے سب سے زیادہ معلومات بھی ان ہی سے حاصل ہوئیں۔) ـــــ اواخر جنوری میں کراچی کا ایک سفر انجمن خدام القرآن سندھ کے پروگرام کے سلسلے میں پہلے سے طے تھا' لیکن اگر 'نقضِ غزل' کے سلسلے میں شیخ سلطان احمد صاحب سے ملاقات کی شدید خواہش نہ ہوتی تو شاید میں اپنی علالت کی بنا پر اس سفر کو ملتوی کر دیتا۔ لیکن شدید تکلیف کے باوجود میں نے یہ سفر اختیار کیا اور شیخ صاحب موصوف کا کرم کہ انہوں نے نہایت خندہ پیشانی سے مفصّل ملاقات اور سیر حاصل گفتگو کا موقع عنایت فرمایا۔ فجزاھم اللّٰہ عنی خیر الجزاء!

ان ملاقاتوں کا یہ فائدہ تو یقیناً بساغنیمت ہے کہ بعض ایسے بزرگوں اور سابق ہم سفروں سے تجدیدِ ملاقات ہو گئی جن سے ملاقاتوں کا سلسلہ عرصہ سے منقطع تھا... مزید برآں 'نقشِ غزل' کے شائع شدہ مواد کی بحیثیت مجموعی تصویبِ مزید اور تصدیقِ مکرر بھی ہو گئی... صرف اس عمومی 'شکایت' کے ساتھ کہ حوادث و واقعات کے بیان میں اختصار بہت زیادہ ہے اور بعض 'تلخ تر' حقائق و واقعات بیان ہونے سے رہ گئے ہیں..... تاہم اجتماع ماچھی گوٹھ کے ضمن میں اس کے سوا کہ بعض یادیں تازہ ہو گئیں ' اور انگریزی محاورے کے مطابق Notes ایک دوسرے سے Tally کر گئے ' کوئی خاص اضافی مواد حاصل نہیں ہو سکا۔

☆ ☆ ☆

ادھر خود جماعتِ اسلامی نے تو اپنی تاریخ کے اس 'تاریک باب' کے اخفاء کا اتنا اہتمام کیا کہ جماعت کی ایک مستقل روایت کو ختم کر دیا۔ اور 'رودادوں' کی اشاعت کا سلسلہ ہی بند کر دیا۔ اس لئے کہ اگر اس اجتماع کی روداد شائع کی جاتی تو لامحالہ اختلاف کرنے والے ارکان کی تقریریں بھی شائع کرنی پڑتیں۔ لہٰذا مناسب خیال کیا گیا کہ صرف مولانا مودودی کی تقریر شائع کر دی جائے ' باقی رہی مفصل روداد تو اس سے خود بھی " غضِّ بصر " کر لیا جائے ' اور نہ صرف موجود الوقت لوگوں بلکہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی بے خبر رکھا جائے۔ رہا جماعت کا اپنا دفتری ریکارڈ تو اس کے ضمن میں بھی ع
اُڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی!" کہ اُس کا بھی بہت سا حصہ اچھرہ سے منصورہ منتقلی کے دوران ضائع ہو گیا ہے ' اور اب وہاں بھی متعلقہ تفاصیل موجود نہیں ہیں۔ گویا معاملہ صرف یہی نہیں ہے کہ ؎ " وابستہ میری یاد سے کچھ تلخیاں بھی تھیں۔ اچھا کیا جو مجھ کو فراموش کر دیا!" ۔ بلکہ صورتِ واقعہ کچھ ایسی بن گئی ہے کہ ع
" جلا کے خاک کیا' خاک کو غبار کیا!" ۔

یہ دوسری بات ہے کہ ع " جو چُپ رہے گی زبانِ خنجر' لہو پکارے گا آستیں کا!" کے مصداق اجتماع ماچھی گوٹھ اور اس کے بعد کے حوادث و واقعات کے ضمن میں دو دستاویزات محفوظ رہ گئیں جن کے بین السطور حالات و واقعات کی پوری تصویر موجود ہے ... ایک راقم کا استعفاء از رکنیتِ جماعت جو اجتماع ماچھی گوٹھ کے لگ بھگ دو ماہ بعد لکھا گیا تھا (اور اب اندازہ ہوتا ہے کہ اُس کا اس قدر تفصیل سے تحریر ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی مشیّت کے تحت تھا' اس لئے کہ وہ بجائے خود 'نقشِ غزل' کا مکمل خلاصہ ہے!)... اور دُوسرا مولانا امین احسن اصلاحی کا ایک وضاحتی خط جو اجتماع ماچھی گوٹھ

کے لگ بھگ ایک سال بعد اس وقت لکھا گیا جب مولانا نے رکنیت جماعت سے استعفاء دیا اور انہیں بے شمار خطوط موصول ہوئے جن میں اُن سے استعفے کے وجوہ و اسباب دریافت کئے گئے تھے! مولانا کی یہ مفصّل تحریر بھی اُن کے مقام اور مرتبہ کے اعتبار سے 'نقض غزل' کی ایک خود مکتفی تصویر ہے' چنانچہ اُن دنوں اس کی سائیکلو سٹائل شدہ نقول کثیر تعداد میں ایک 'عشتی مراسلہ' کی صورت میں تقسیم ہوئی تھیں!

بنابریں... 'نقض غزل' کی تکمیل کے سلسلے میں ہم اولاً ماچھی گوٹھ کے اجتماع ارکان کی بقیہ کارروائی کے اہم حصے 'یادداشت' کی بنا پر درج کر رہے ہیں' اور اس ضمن میں جو کچھ لکھا جارہا ہے اس کے حرف حرف کی صداقت پر حلف لینے کو تیار ہیں سوائے صرف اس ایک بات کے کہ جیسے پہلے عرض کیا جاچکا ہے' واقعات کی زمانی ترتیب میں تقدیم و تاخیر کا امکان موجود ہے! ثانیاً متذکرہ بالا دونوں دستاویزات شائع کی جارہی ہیں جن کے بین السطور میں وہ "آئینۂ گفتار" موجود ہے جس میں ہر جویائے حق علامہ اقبال کے ان الفاظ کے مصداق کہ ع "آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ!" جماعتِ اسلامی کی تاریخ کے ۵۶ء اور ۵۷ء کے دو سالوں پر مشتمل بحرانی دور کے اصل حقائق اور واقعات کی "دھندلی سی اک تصویر" دیکھ سکتا ہے۔

اجتماعِ ارکان کی بقیہ رُوداد

مولانا مودودی کی قرارداد اور تقریر

'قرارداد اعتماد' پر بحث کے ملتوی ہونے کے بعد مولانا مودودی نے جماعتِ اسلامی کی تاریخ میں پہلی بار جماعت کی پالیسی کے ضمن میں اپنی سوچ اور رائے کو ایک مفصّل قرارداد کی صورت میں پیش کیا- اور اس کی وضاحت کے لئے ایک نہایت مفصّل اور مدلّل تقریر کی جو چھ گھنٹے سے زائد جاری رہی اور غالباً تین نشستوں میں مکمل ہو سکی-

یہ قرارداد اور تقریر بعد میں "تحریک اسلامی کا آئندہ لائحۂ عمل" کے

عنوان سے شائع ہوئی' اور اس کا جو نسخہ اس وقت راقم کے پیشِ نظر ہے وہ اس کے بارہویں ایڈیشن کا ہے جو اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۸۶ء میں شائع ہوا تھا۔ (یہ وضاحت اس لئے کر دی گئی کہ اجتماع کے بعد ترتیب و تسوید اور طباعت و اشاعت کے مختلف مراحل کے دوران اس میں کوئی لفظی ردّوبدل ہوا ہو تو اس کی ذمہ داری سے ہم بری ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے پاس اس کا کوئی اور ریکارڈ محفوظ نہیں ہے)

یہ قرارداد بھی مولانا مودودی کی مرتب کردہ تھی اور اس کے لئے مفصل تقریر بھی مولانا لاہور ہی سے پوری طرح تیار کر کے لائے تھے۔ لیکن' جیسے کہ پہلے واضح کیا جا چکا ہے' مجلسِ شوریٰ کے اجلاس کے دوران جو سلسلۂ گفت و شنید جاری رہا اور جو سعیٔ مصالحت بروئے کار آئی اُس کے نتیجے میں اس میں مولانا امین احسن اصلاحی کے اختلافی نقطۂ نظر کو سمونے اور شامل کرنے یعنی Accomodate کرنے کی خاطر ان کے تجویز کردہ جملے کا اضافہ کر دیا گیا تھا... اور اس طرح اب یہ 'قرارداد' مولانا مودودی کی ذاتی نہیں رہی بلکہ اسے مجلسِ شوریٰ کی 'متفقہ قرارداد' کی حیثیت حاصل ہو گئی جسے مولانا نے گویا شوریٰ کے نمائندے (Spokesman) کی حیثیت سے پیش کیا۔ لیکن جیسے کہ راقم کو پہلے ہی سے اندیشہ تھا' جس کا واضح اظہار بھی راقم نے اپنے اُس خط میں کر دیا تھا جو راقم نے جماعتِ اسلامی منٹگمری (ساہیوال) کے دیگر پانچ ارکان کی ہم نوائی میں قائم مقام امیر جماعتِ اسلامی پاکستان کے نام تحریر کیا تھا' سابقہ 'اتفاق' کی طرح اس 'اتفاق' کا بھانڈا بھی چوراہے میں پھوٹ کر رہا۔ اس لئے کہ اس قسم کی مصنوعی مصالحتیں شاید اصلاحی و سماجی انجمنوں اور سیاسی جماعتوں میں تو کسی درجے میں قابلِ عمل ہوں' کسی انقلابی تحریک میں ہرگز ممکن العمل نہیں ہو سکتیں۔

چنانچہ مولانا مودودی مرحوم نے اپنی چھ گھنٹے سے زائد لمبی تقریر میں اپنے' اور اپنے ہم خیال ارکانِ شوریٰ کے ذہن کی نمائندگی تو بہ تمام و کمال ـــــ اور بہ حسن و خوبی کر دی' لیکن اس سے بالواسطہ طور پر جماعت کی پالیسی کے بارے میں اختلافی ذہن رکھنے والے ارکان شوریٰ کے خیالات اور نظریات کی کامل نفی ہو گئی (مولانا

مودودی کی یہ تقریر کامل طبع شدہ موجود ہے' لہٰذا اس کے ضمن میں مزید کچھ عرض کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے)

مولانا اصلاحی کا خطاب

اس کے فطری ردّ عمل کے طور پر مولانا امین احسن اصلاحی اٹھے اور انہوں نے اصولی طور پر قرارداد کی مکمّل تصویب و تائید کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ اس کے بعض "مضمرات اور مقدّرات" مولانا مودودی کی تقریر میں بیان ہونے سے رہ گئے ہیں جنہیں بیان کیا جانا ضروری ہے۔ یہ "مضمرات اور مقدّرات" ظاہر ہے کہ 'اصلاً اُن کے اس جملے کے منطقی نتائج تھے جس کا اضافہ اُن کے اصرار پر اِس قرارداد میں ہوا تھا' اور واقعہ یہ ہے کہ یہ مولانا اصلاحی کی ذہانت اور فطانت کا نہایت حیران کن مظہر تھا کہ انہوں نے ایک طویل قرارداد میں گنتی کے چند الفاظ کے اضافے سے اپنے پورے فکری اختلاف کو سمو دیا تھا___ بہر حال اب جو مولانا اصلاحی نے اُن "مضمرات اور مقدرات" کو بیان کرنا شروع کیا تو مولانا مودودی کے موقف اور نظریئے کی کامل تردید ہو گئی اور گویا ایک 'دعوٰی' (Thesis) کے مقابلے میں "جوابِ دعوٰی" (Anti-Thesis) پوری آب و تاب اور کامل شان و شوکت کے ساتھ سامنے آ گیا___

مولانا اصلاحی کی یہ تقریر جہاں دلائل و براہین سے مسلّح' اور شکوہِ الفاظ اور حسنِ بیان سے مرصّع اور مسجّع تھی' وہاں جذبہ و جوش کا مظہر اتم اور حسنِ خطابت کا اعلیٰ مرقع بھی تھی ___ افسوس کہ فکرِ صحیح اور فنِ خطابت کا یہ شاہکار امتزاج ریگستانِ بہاولپور کی خاموش فضاؤں میں تحلیل ہو کر رہ گیا۔ اور اب اُس کا مکمّل ریکارڈ تو دور رہا۔ اُس کے مضمون کا خلاصہ بھی صفحہ ہستی سے ناپید ہو چکا ہے (اگرچہ ہمیں یقین ہے کہ قیامت کے دن مولانا کا یہ بیان جماعت کی قیادت کے خلاف بہت بڑے الزام اور حجّت کے طور پر پیش ہو گا!)___ کاش کہ جماعت نے اسے محفوظ رکھا ہوتا تو خواہ اُس وقت ان کا موقف ردّ کر دیا گیا تھا' بعد میں مزید غور و فکر اور نظر ثانی کا امکان تو باقی رہتا اور اگر بالفرض اس کی نوبت بھی نہ آتی تو آنے والی نسلوں کو تو معلوم ہو

سکتا کہ تاریخِ جماعت اسلامی کے اس اہم موڑ پر کس نے کیا کہا تھا اور کس کا موقف کیا تھا؟...... اور یہ صورت تو نہ ہوتی کہ "اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغباں - بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد؟"...... کے مصداق کسی کو کچھ معلوم نہیں...... لیکن "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!"

جہاں تک یادداشت کام کرتی ہے' مولانا اصلاحی کی پوری تقریر ایک لفظ یعنی "توازن" کے گرد گھومتی تھی جو خود مولانا مودودی کی مرتّب کردہ قرارداد کے اصل متن میں بھی شامل تھا - البتّہ مولانا اصلاحی نے اُس میں جس جملے کا اضافہ کرایا تھا اس سے وہ زیادہ مؤکّد بھی ہو گیا تھا اور اس نے گویا پورے لائحۂ عمل کے لئے محافظ اور مہیمن کی صورت اختیار کر لی تھی۔

قرارداد اور اس کی ترمیم

مولانا مودودی نے اپنی قرارداد کی بناء اس لائحہ عمل پر قائم کی تھی جو انہوں نے ۱۹۵۱ء کے سالانہ اجتماع کے موقع پر پیش کیا تھا - اور جس پر اصولی اعتبار سے جماعت اُس وقت سے عمل پیرا تھی'...... یہ لائحۂ عمل چار اجزاء پر مشتمل تھا...... یعنی (۱) افکار کی تطہیر اور تعمیر نو - (۲) صالح افراد کی تلاش و تنظیم و تربیت - (۳) اجتماعی اصلاح کی سعی (یعنی اصلاحِ معاشرہ) - اور (۴) نظامِ حکومت کی اصلاح -

جماعت کی مرکزی مجلس شوری نے اپنے اجلاس منعقدہ ۲۵ نومبر تا ۱۰ دسمبر ۱۹۵۶ء میں جو قرارداد منظور کی تھی اس کی شق نمبر ۲ ان الفاظ پر مشتمل تھی:

> "۲۔ مجلس شوریٰ کی رائے میں جو لائحہ عمل ۱۹۵۱ء کے اجتماعِ عام منعقدہ کراچی میں پیش کیا گیا تھا اور جو اب تک جماعتِ اسلامی کا لائحہ عمل ہے وہ اصولاً بالکل درست ہے اس کو برقرار رہنا چاہئے۔ لیکن مجلسِ شوریٰ یہ محسوس کرتی ہے کہ دستورِ اسلامی کی پیہم جدوجہد کی وجہ سے لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کے لئے خاطر خواہ کام نہیں ہو سکا ہے اور اس کے باعث ہمارے بنیادی کام میں بہت بڑی کسر رہ گئی ہے۔ اس لئے مجلس کی متفقہ رائے یہ ہے کہ جماعت کی بنیادی دعوت اور لائحہ عمل کے پہلے تین اجزاء کی طرف اب پوری توجہ اور کوشش صرف کرنے کی ضرورت ہے اور اس بنا پر سرِ

دست کسی انتخابی مہم کے لئے کام کرنا قبل از وقت ہو گا۔ البتہ اسلامی اقدار کے قیام و بقا اور دستورِ اسلامی کے تحفظ ' اصلاح اور نفاذ کے لئے ناگزیر اقدامات سے دریغ نہ ہونا چاہئے۔"

قرارداد ماچھی گوٹھ میں مولانا مودودی نے نہ صرف یہ کہ اس پورے قضیئے کو بالکل گول کر دیا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھا کر سارا زور "قیادت کی تبدیلی" پر مرکوز کر دیا... اور مخالف ذہن کی تسلی اور اطمینان کے لئے صرف اس اصولی اور مبہم بات پر اکتفا کی کہ :

"اس موقع پر ایک صالح قیادت کو بروئے کار لانے کے لئے صحیح طریق کار یہ ہے کہ اس لائحۂ عمل کے چاروں اجزاء پر توازن کے ساتھ اس طرح کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے کہ ہر جزو کا کام دوسرے جزو کے لئے موجبِ تقویت ہو!"۔

مولانا امین احسن اصلاحی نے اسی "توازن" پر مورچہ لگاتے ہوئے قرارداد میں اس مقام پر ان الفاظ کا اضافہ کرایا تھا کہ :

"اور جتنا کام پہلے تین اجزاء میں ہوتا جائے اسی نسبت سے ملک کے سیاسی نظام میں دینی نظام کے حامیوں کا نفوذ و اثر عملاً بڑھتا چلا جائے!"۔

چنانچہ اب ارکانِ جماعت کے اجتماعِ عام میں جب مولانا اصلاحی نے اپنے اس جملے کے "مضمرات اور مقدرات" کو کھول کر بیان کیا تو ان کی پوری تقریر عملاً دسمبر ۵۶ء کی قرارداد شوریٰ کی مندرجہ بالا شق نمبر ۲ کی تشریح و تفسیر بن گئی[1] اور اس طرح جماعت کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں یا اصحابِ حل و عقد کے مابین جماعت کی پالیسی اور طریقِ کار کے بارے میں جو متضاد خیالات اور نظریات ایک عرصے سے

---

[1] اس مرحلہ پر مولانا اصلاحی کا ایک یادگار جملہ تو نقل کئے بغیر آگے بڑھنے پر طبیعت ہرگز آمادہ نہیں ہے جو راقم کو حرف بحرف یاد ہے۔ مولانا نے انقلاب قیادت کی جدوجہد کے ضمن میں اس چار نکاتی لائحہ عمل کے چاروں اجزاء کے مابین "توازن" برقرار رکھنے کی اہمیت کے سلسلے میں فرمایا کہ :

"اگر اس کے بغیر آپ کبھی کسی الٹی سیدھی تدبیر سے قیادت کے منہ زور گھوڑے پر سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے تو یہ ایسی دولتی رسید کرے گا کہ قیادت و سیادت کا سارا نشہ ہرن ہو جائے گا!"۔

پروان چڑھ رہے تھے ' اور جن کی سرے سے کوئی خبر یا اطلاع جماعت کے اراکین کی عظیم اکثریت کو نہیں تھی اچانک ایک بھیانک تضاد کی صورت میں اجتماع ارکان کے سامنے آگئے ـــ چنانچہ پورا مجمع ایسے ہو گیا جیسے اُسے سانپ سونگھ گیا ہو' اور جملہ اراکین جماعت پر ایک حالتِ منتظرہ طاری ہو گئی کہ ۔
دیکھئے اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا - گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا!

نعیم صدیقی صاحب کی جانب سے مولانا اصلاحی کا تعاقب

اس پر' جوابِ آں غزل' کے انداز میں ارکانِ مجلسِ شوریٰ میں مولانا مودودی کے موقف اور نقطۂ نظر کے سب سے بڑے حامی اور طریقِ کار اور پالیسی کے ضمن میں مولانا کے خیالات کے سب سے بڑے ترجمان جناب نعیم صدیقی اٹھے اور انہوں نے ایک بھرپور تقریر میں " توازن " کے اس " ہیضے " کو " ذہنی عدمِ توازن " کا مظہر اور شاخسانہ قرار دیا اور گویا مولانا اصلاحی اور ان کے ہم خیال لوگوں کو خللِ دماغی کے عارضہ میں مبتلا ... یعنی ذہنی مریض قرار دیدیا..... نفسِ مضمون سے قطع نظر ' نعیم صدیقی صاحب کی تقریر بھی ایک جانب نہایت مرتب اور مربوط بھی تھی ' اور دوسری جانب فصاحت و بلاغت کا عمدہ نمونہ بھی - اور اگرچہ راقم الحروف کی یہ رائے اپنے زمانہ طالب علمی ہی کے دوران پختہ ہو چکی تھی کہ نعیم صاحب نے اپنے اندازِ تقریر میں ایک حد تک مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی دونوں کے اسلوبِ خطاب کی خوبیوں کو جمع کر لیا ہے ' چنانچہ اُن کی تقریر میں مولانا مودودی کا سا ربط و تسلسل بھی ہوتا ہے اور مولانا اصلاحی کا سا خطیبانہ انداز بھی ' تاہم اُن کی اس تقریر کے بارے میں یہ باور کرنا میرے لئے بھی مشکل تھا کہ وہ فی الفور یعنی ارتجالاً (Extempore) کی گئی تھی ـــ اور اسے قارئین خواہ میرے سوءِ ظن پر محمول کر لیں ' خواہ انگریزی محاورے (Too Good To Beleive) کے مطابق اندازِ تحسین پر ' بہر حال تقریر کا انداز تو اسی کی غمازی کر رہا تھا کہ اسے پہلے ہی سے خوب اچھی طرح تیار کیا گیا تھا (واللہ اعلم!!)

اس کا نتیجہ وہی نکلا جو منطقی طور پر نکلنا چاہئے تھا ـــ یعنی وہ بُحران جس نے مولانا اصلاحی کی تقریر کے بعد ایک سکتہ بلکہ سکوتِ مرگ کی سی کیفیت اختیار کر لی تھی نعیم صاحب کی تقریر کے بعد ایک ہیجان کی صورت اختیار کر گیا۔ اور تھوڑی دیر کے لئے تو یوں محسوس ہوا کہ جیسے پورے مجمعے نے دو متحارب گروپوں کی صورت اختیار کر لی ہے۔

مولانا مودودی کی جانب سے دعوتِ مبارزت

اس ہیجانی اور طوفانی کیفیت میں مولانا مودودی دوبارہ سٹیج پر آئے اور انہوں نے اولاً اپنے مخصوص دھیمے اور پر سکون انداز میں مولانا اصلاحی کے اعتراضات اور دلائل کا ردّ کیا اور تان اس پر توڑی کہ اگر اس قرارداد سے یہ مطالب بھی اخذ کئے جا رہے ہیں، یا ان "مقدرات و مضمرات" کو بھی مستنبط کیا جا رہا ہے تو میں اس کے سدِّ باب کے لئے اس میں ابھی ترمیم کئے دیتا ہوں تاکہ آئندہ کے لئے کسی ابہام یا اشتباہ کا امکان ہی باقی نہ رہے...... چنانچہ انہوں نے قرارداد میں مولانا اصلاحی کے اصرار پر اضافہ شدہ الفاظ کے فوراً بعد ان الفاظ کا اضافہ کر دیا کہ :

> "مگر یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ توازن قائم نہ رہنے کو کسی وقت بھی اس لائحۂ عمل کے کسی جزو کو ساقط یا معطل یا مؤخر کر دینے کے لئے دلیل نہ بنایا جا سکے گا!" ـ

اسے عوامی انداز بیان میں یوں تعبیر کیا جا سکتا ہے کہ اس طرح مولانا مودودی نے مولانا اصلاحی کے نہلے پر دہلا دے مارا، اور بھرے مجمعے میں مولانا اصلاحی کو دعوتِ مبارزت دیدی کہ اگر ہمّت اور سکت ہے تو مقابلے میں آ جاؤ، اور اِس قرارداد سے اپنا اتفاق واپس لیتے ہوئے کوئی متبادل قرارداد یا قراردادِ عدمِ اعتماد لے کر سامنے آؤ تاکہ آٹے دال کا بھاؤ بھی معلوم ہو جائے، اور یہ بات بھی کھل جائے کہ کون کتنے پانی میں ہے! گویا (غالب کے مصرعے میں قدرِ قلیل تبدیلی کے ساتھ)...... "آؤ... یہ گوئے ہے، اور یہ میدان!"

مولانا مودودی کی جانب سے اس واضح چیلنج کے بعد کے چند لمحات نہ صرف اجتماعِ ماچھی گوٹھ بلکہ جماعتِ اسلامی کی پوری تاریخ کے لئے فیصلہ کن موڑ کی

حیثیت رکھتے ہیں - اِس لئے کہ مولانا مودودی نے ایک بار پھر اپنے مزاج کی مستقل ساخت' یا گزشتہ چند مہینوں کے دوران میں ظاہر ہونے والے حالات و واقعات کی بنا پر پیدا شدہ "تنگ آمد بجنگ آمد" کی فوری اور وقتی کیفیت کے تحت ایسا قدم اٹھادیا تھا جس سے نہ صرف یہ کہ دستورِ جماعت کی رُوح بُری طرح مجرُوح ہو رہی تھی بلکہ معقولیت کے جملہ تقاضے بھی پامال ہو کر رہ گئے تھے... اور ایسی صورت پیدا ہو گئی تھی کہ اگر اُس وقت مولانا اصلاحی بھی اپنی راجپوتی آن اور شان کا مظاہرہ کرتے تو اغلباً جماعت کی مکمّل تباہی ورنہ کم از کم اِس کا دو حصّوں میں تقسیم ہو جانا لازمی و لابدی تھا-

صورتِ حال کا تجزیہ

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر مولانا مودودی کا ذہن اِس قدر یکسُو تھا تو انہیں اپنی قرارداد میں مولانا اصلاحی کے اضافے کو ہرگز قبول نہیں کرنا چاہئے تھا- اس صورت میں اجتماعِ ماچھی گوٹھ کی کارروائی اُسی رخ پر چلتی جس کی نشان دہی ہم' چند اراکینِ جماعتِ اسلامی منٹگمری نے کی تھی' یعنی مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی اپنی اپنی قراردادیں لے کر ارکان کے سامنے آتے اور اپنے اپنے نقطۂ نظر کی کماحقّہٗ وضاحت کرتے اور ارکانِ جماعت علیٰ وجہ البصیرت کسی ایک راہ کو اختیار کر لیتے- لیکن جب انہوں نے مولانا اصلاحی کی ترمیم کو قبول کر لیا تو اب وہ قرارداد اُن کی ذاتی نہیں رہی تھی بلکہ نہ صرف اُن کی اور مولانا اصلاحی کی' بلکہ دستورِ جماعت کی رو سے امیر جماعت اور مجلس شوریٰ کی متفق علیہ قرارداد بن گئی تھی..... اور مولانا اصلاحی کی تقریر کے بعد اگر انہیں یہ احساس ہوا تھا کہ مولانا اصلاحی کا اضافہ انہوں نے سہواً اور اس کے "مضمرات اور مقدّرات" کے شعور و ادراک کے بغیر قبول کر کے غلطی کی تھی تو ان کے لئے صاف اور سیدھا' اور نہ صرف معقولیت بلکہ شرافت اور مروّت پر مبنی راستہ یہ تھا کہ اجتماعِ ارکان کو تھوڑی دیر کے لئے ملتوی کر کے مرکزی مجلس شوریٰ کا اجلاس منعقد کرتے اور اس میں اپنی مجوزہ ترمیم پیش کرتے' پھر اگر مولانا اصلاحی اور اُن کے ہم خیال

لوگ بھی اسے قبول کر لیتے تو فبہا' ورنہ مولانا اصلاحی کے لئے پورا موقع موجود ہوتا کہ ٹھنڈے دل کے ساتھ از سرِ نو غور کر کے اپنا آئندہ لائحۂ عمل طے کر لیں' پھر خواہ وہ خاموشی اختیار کرتے' جیسے کہ انہوں نے اجتماع ارکان میں کی' خواہ خم ٹھونک کر میدان میں آجاتے اور وہ طرزِ عمل اختیار کرتے جو بعد میں خود انہوں نے اپنے گشتی مراسلے میں ان الفاظ میں بیان کیا کہ "مَیں نے شوریٰ کو بتایا کہ اگر آپ لوگ اس قرارداد کو اجتماعِ عام میں لائیں گے تو میں دسمبر والی شوریٰ کی (متفق علیہ) قرارداد جماعت کے سامنے پیش کروں گا اور امیر جماعت اور ان کے اصحاب نے اس قرارداد کو دفن کرنے کے لئے جو مہمیں چلائی ہیں اور جو اقدامات کئے ہیں وہ سب اجتماعِ عام (ارکان) میں بیان کروں گا..... میری تقریر کے وقت میرے ہاتھ میں قرآن ہوگا اور میں اپنے داہنے امیرِ جماعت کو بٹھاؤں گا اور بائیں قائم مقام امیر جماعت چودھری غلام محمد صاحب کو' اور یہ دونوں حضرات میری جس بات کو کہہ دیں گے کہ جھوٹ ہے میں بغیر کسی حجت کے اسے واپس لے لوں گا۔" دونوں صورتوں میں ذمّہ داری مولانا اصلاحی کی ہوتی اور مولانا مودودی پر کوئی حرف نہ آتا۔

لیکن اس صاف اور سیدھے راستے کو چھوڑ کر جو طرزِ عمل مولانا مودودی نے اختیار کیا' یعنی یہ کہ مجلس شوریٰ کو نظر انداز ہی نہیں' گویا اس کے وجود ہی کی نفی کرتے ہوئے پورے قضیئے کو اچانک ایسے ارکان کے اجتماعِ عام میں پیش کر دیا جن کی عظیم اکثریت نہ صرف یہ کہ پالیسی اور طریقِ کار کے ضمن میں اختلافِ رائے سے اس روز سے قبل تک قطعاً ناواقف تھی' بلکہ اُن تلخ اور تکلیف دہ' بلکہ ناگفتہ بہ حالات و واقعات سے تو سرے سے بے خبر محض تھی جو دسمبر ۵۶ء اور جنوری ۵۷ء میں جماعت کے بعض حلقوں (بالخصوص لاہور' لائل پور اور راولپنڈی) میں رونما ہوئے تھے... تاکہ ایک ناواقف اکثریت سے محض اپنی ذاتی مقبولیت کے بل پر حسبِ منشا فیصلہ حاصل کیا جا سکے..... یہ طرزِ عمل مولانا مودودی نے اگر نادانستہ اور غیر شعوری طور پر اختیار کیا تب بھی اسے نہ صرف جماعتِ اسلامی بلکہ ملّتِ اسلامیہ پاکستان کی بدقسمتی بلکہ شامتِ اعمال قرار دیا جائے گا' اور اگر خوب

سوچ بچار کے بعد جان بوجھ کر مصلحتاً اختیار کیا تب تو اسے میکیاویلی سیاست کے شاہکار سے کم کوئی نام دیا ہی نہیں جاسکتا اور اس کی کوئی نظیر کم از کم ماضئ قریب کی تاریخ میں تو سوائے قادیانیت کی تاریخ کے اس واقعے کے اور کہیں نہیں مل سکتی، کہ جب حکیم نور الدین کے انتقال کے بعد نئی خلافت کے تصفیے کے ضمن میں قادیانی گروہ کے اُس مرکزی مشاورتی ادارے نے، جو آغاز سے اس وقت تک بالکل جماعت اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ ہی کے مانند، آخری بااختیار ادارہ رہا تھا، مرزا بشیر الدین محمود احمد کی بجائے، اور اُس کی بھرپور کوشش کے علی الرّغم، مولوی محمد علی لاہوری کے حق میں فیصلہ کر دیا تو مرزا محمود نے جیسے بھی بن پڑا معاملہ مجلس عامّہ (جنرل باڈی) میں پیش کرا کے ایک ہیجانی اور جذباتی ماحول میں، ناواقف اور ناکندہ تراش لوگوں کی اکثریت سے اپنے حق میں فیصلہ حاصل کر لیا تھا۔

دوسری طرف جب مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی کی اس مبارزت کے جواب میں نہ کوئی احتجاج کیا، نہ شوریٰ کے اجلاس کے انعقاد کا مطالبہ کیا، نہ ترمیم شدہ قرارداد سے اپنا اتفاق واپس لے کر کوئی متبادل قرارداد پیش کی، بلکہ نہ صرف یہ کہ خود کامل سکوت اختیار کیا، بلکہ جب بعض دوسرے ارکانِ شوریٰ (جیسے مولانا عبد الغفار حسن) نے بولنا چاہا تو اُن پر بھی اپنے اثر اور رسوخ کو استعمال کر کے انہیں چپ کرا دیا، تو اس طرزِ عمل کو بھی کسی طرح نہ درست قرار دیا جاسکتا ہے، نہ اس دستور کی روح کے مطابق جس کی دہائی انہوں نے اُس وقت تک بھی بارہا دی تھی۔ اور بعد میں تو اپنے تمام شکووں اور شکایتوں کو اُسی پر مبنی قرار دیا۔

مولانا اصلاحی کے اس طرزِ عمل کو کسی معتدل اور متوازن یا درمیانہ اور اوسط موقف پر مبنی قرار نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ اُس کے بارے میں دو انتہائی آراء میں سے ایک کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں ہے..... یعنی یا تو اسے انتہائی بزدلی کا مظہر، اور اس خوف پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس وقت اگر مولانا مودودی کو براہ راست چیلنج کرنے کی روش اختیار کی تو اس میں بھی کوئی تعجب کی بات نہ ہو گی کہ باضابطہ 'پٹائی' ہو جائے (اس لئے کہ صوبہ سرحد سے تعلق رکھنے والے ارکانِ جماعت کے تیور اُس وقت بلاشبہ اسی انداز کے تھے) بصورتِ دیگر بھی شکست فاش اور اس کے

نتیجے میں رسوائی اور جگ ہنسائی قطعاً یقینی ہے..... یا پھر دوسری جانب مولانا کے طرزِ عمل کو جماعت کے ساتھ انتہائی خلوص و اخلاص' اور خود مولانا مودودی کے ساتھ کم از کم ناگزیر حد تک حسنِ ظن کے برقرار رہنے پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے..... ان میں سے جہاں تک مقدّم الذکر توجیہہ کا تعلق ہے وہ مولانا کے نسلی پس منظر (مولانا نسلاً راجپوت ہیں) اور خود ذاتی مزاج اور سب سے بڑھ کر ایک سال بعد کے طرزِ عمل کے پیشِ نظر قابلِ قبول نظر نہیں آتی۔ رہی مؤخّر الذکر توجیہہ تو اس کا حصّۂ اوّل تو حسنِ ظن کی بنا پر قبول کیا جاسکتا ہے' لیکن دوسرا جزو اُس خط کے پیشِ نظر ہرگز کسی بھی درجے میں قابلِ قبول نہیں ہے جو تقریباً دو ماہ قبل ارکانِ جائزہ کمیٹی کے خلاف مولانا مودودی کے الزام نامے کے جواب میں مولانا اصلاحی نے تحریر کیا تھا! (اس خط میں 'اگر مگر' کے پردوں میں اگر کوئی بات مخفی رہ بھی گئی تھی تو ایک سال بعد رکنیت جماعت سے مستعفی ہونے کے بعد جو خط و کتابت مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے مابین ہوئی اس نے تو ع "پر شب کی منتوں نے تو کھودی رہی سہی!" کے مصداق اگلے پچھلے سارے ہی پردے فاش کر دیئے)

ان دونوں انتہاؤں کے مابین صرف ایک ہی ممکن توجیہہ باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ مولانا مودودی کے اس اچانک حملے سے مولانا اصلاحی بالکل بھونچکے ہو کر رہ گئے ہوں اور ان کی قوّتِ فیصلہ فوری طور پر مفلوج ہو گئی ہو..... اور بہتر یہی ہے کہ اصل حقیقت کو "یَوْمَ تُبْلَی السَّرَائِر" _____ پر ملتوی کر کے فی الوقت یہی گمان کیا جائے کہ مولانا اصلاحی کے طرزِ عمل کا اصل سبب یہی تھا' واللہ اعلم۔

☆ ☆ ☆

ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان کا اصل اور فیصلہ کن حصّہ تو وہی تھا جو بیان ہو گیا باقی تو محض قواعد و ضوابط کی خانہ پُری اور صرف بھرتی کی کارروائی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ راقم کو بالکل یاد نہیں آ رہا کہ مولانا مودودی کی جانب سے اس ترمیم شدہ قرارداد کے دوبارہ پیش ہو جانے کے بعد اس کے حق میں یا اس سے اتفاق کے علی الرّغم کسی قدر قیل و قال پر مشتمل کوئی اور تقریر ہوئی تھی یا نہیں۔ ایک گمان سا

ہوتا ہے کہ شاید جناب مصطفیٰ صادق کی تقریر بھی اسی مرحلے پر ہوئی ہو اس لئے کہ انہوں نے اصل قرارداد سے کامل اتفاق کرتے ہوئے اس سے "عملی انحراف" کی چند نہایت نمایاں مثالیں پیش کی تھیں' یہی وجہ ہے کہ اُن کی تقریر کی اس ماحول میں بھی کافی پذیرائی ہوئی تھی' تاہم اپنی نوعیت کے اعتبار سے وہ بھی بعض دوسری تقاریر سے مشابہ تھی لہٰذا اس کا ذکر اُن ہی کے ساتھ مناسب ہوگا!

یہ بھی اب اچھی طرح یاد نہیں ہے کہ مولانا مودودی کی اس قرارداد پر رائے شماری کس مرحلے پر ہوئی' قیاس بھی یہی کہتا ہے اور گمان غالب بھی یہی ہے کہ رائے شماری اس قرارداد میں ترمیم کی تجویز پر مشتمل قراردادوں اور بالکل جداگانہ اور متبادل قراردادوں کے پیش ہونے کے بعد ہی ہوئی ہوگی' پھر چونکہ اس رائے شماری کے اعداد و شمار کا بھی کوئی دوسرا ریکارڈ موجود نہیں ہے' لہٰذا حسنِ ظن کے تقاضے پر مستزاد مجبوری بھی ہے' اور ماچھی گوٹھ کے حالات کے اعتبار سے قرین قیاس بھی' کہ "تحریک اسلامی کے آئندہ لائحہ عمل" نامی کتاب کے دیباچہ میں وارد شدہ اس بیان کو تسلیم کیا جائے کہ " ارکان جماعت میں سے ۹۲۰ نے مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی پیش کردہ قرارداد کے حق میں اور صرف ۱۵ نے اس کے خلاف رائے دی- اس طرح یہ قرارداد جماعت کی ۹۸ فی صد سے بھی زیادہ اکثریت سے پاس کی گئی۔" (صفحہ ۴)

آگے بڑھنے سے قبل اس قرارداد کا مکمل متن مع جملہ ترامیم بھی سامنے آ جائے تو بہتر ہے وھوھٰذا :

> "جماعتِ اسلامی پاکستان اس امر پر اللہ تعالےٰ کا شکر بجالاتی ہے کہ اب سے پندرہ سال قبل جس نصب العین کو سامنے رکھ کر' اور جن اصولوں کی پابندی کا عہد کر کے اس نے سفر کا آغاز کیا تھا' آج تک وہ اسی منزلِ مقصود کی طرف انہی اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے بڑھتی چلی آ رہی ہے۔ اس طویل اور کٹھن سفر کے دوران میں اگر اس سے اقامتِ دین کے مقصد کی کوئی خدمت بن آئی ہے تو وہ سراسر اللہ کا فضل ہے جس پر وہ اپنے رب کا شکر ادا کرتی ہے' اور اگر کچھ کوتاہیاں اور لغزشیں سرزد ہوئی ہیں تو وہ اس کے اپنے ہی قصور کا نتیجہ ہیں جن پر وہ اپنے مالک سے عفو و درگزر اور مزید ہدایت و توفیق کی دعا کرتی ہے۔

جماعت اسلامی اس بات پر مطمئن ہے کہ تحریکِ اسلامی کا جو لائحۂ عمل نومبر ۱۹۵۱ء میں ارکان کے اجتماعِ عام منعقدہ کراچی میں امیر جماعت نے مجلسِ شوریٰ کے مشورے سے پیش کیا تھا وہ بالکل صحیح توازن کے ساتھ مقصدِ تحریک کے تمام نظری اور عملی تقاضوں کو پورا کرتا ہے' اور وہی آئندہ بھی اس تحریک کا لائحۂ عمل رہنا چاہئے۔

اس لائحۂ عمل کے پہلے تین اجزاء (یعنی تطہیرِ افکار و تعمیرِ افکار' صالح افراد کی تلاش و تنظیم و تربیت اور اجتماعی اصلاح کی سعی) تو جماعت اسلامی کی تشکیل کے پہلے ہی دن سے اس کے لائحۂ عمل کے اجزاءِ لازم رہے ہیں' البتہ ان کو عمل میں لانے کی صورتیں حالات و ضروریات کے لحاظ سے اور جماعت کے وسائل و ذرائع کے مطابق بدلتی رہی ہیں۔ ان کے بارے میں جماعت اب یہ طے کرتی ہے کہ آئندہ کوئی دوسرا اجماعی فیصلہ ہونے تک ان تینوں اجزاء کو اُس پروگرام کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے جو اس قرارداد کے ساتھ بطور ضمیمہ شامل کیا جارہا ہے۔ نیز جماعت کا یہ اجتماعِ عام مجلسِ شوریٰ' اور تمام حلقوں' اضلاع اور مقامات کی جماعتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اس پروگرام پر اس حد تک زور دیں کہ لائحۂ عمل کے چوتھے جزو کے ساتھ جماعت کے کام کا ٹھیک توازن قائم ہو جائے اور قائم رہے۔

اس لائحہ عمل کا چوتھا جز جو نظامِ حکومت کی اصلاح سے متعلق ہے' در حقیقت وہ بھی ابتدا ہی سے جماعت اسلامی کے بنیادی مقاصد میں شامل تھا۔ جماعت نے ہمیشہ اس سوال کو زندگی کے عملی مسائل میں سب سے اہم اور فیصلہ کن سوال سمجھا ہے کہ معاملاتِ زندگی کی زمام کار صالحین کے ہاتھ میں ہے یا فاسقین کے ہاتھ میں' اور حیاتِ دنیا میں امامت و رہنمائی کا مقام خدا کے مطیع فرمان بندوں کو حاصل ہے یا اس کی اطاعت سے آزاد رہنے والوں کو۔ جماعت کا نقطۂ نظر ابتداء سے یہ ہے کہ اقامتِ دین کا مقصد اُس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اقتدار کی کنجیوں پر دین کا تسلط قائم نہ ہو جائے۔ اور جماعت ابتداء ہی سے یہ حقیقت بھی پیشِ نظر رکھتی ہے کہ دین کا یہ تسلط یک لخت کبھی قائم نہیں ہو سکتا' بلکہ یہ ایک تدریجی عمل ہے جو غیر دینی نظام کے مقابلے میں دینی نظام چاہنے والوں کی پیہم کشمکش اور درجہ بدرجہ پیش قدمی سے ہی مکمل ہوا کرتا ہے۔ جماعتِ اسلامی نے اس مقصد کے لئے تقسیمِ ہند سے پہلے اگر عملاً کوئی اقدام نہیں کیا تھا تو اس کی وجہ مواقع کا فقدان اور ذرائع کی کمی بھی تھی اور یہ وجہ بھی تھی کہ اس وقت کے نظام میں اس مقصد کے لئے کام کرنے میں بعض شرعی موانع تھے۔ قیامِ پاکستان کے بعد جب اللہ تعالےٰ نے مواقع اور ذرائع دونوں فراہم کر دیئے اور شرعی موانع کو دور

کرنے کے امکانات بھی پیدا کر دیئے تو جماعت نے اپنے لائحۂ عمل میں اس چوتھے جزو کو بھی، جو اس کے نصب العین کا ایک لازمی تقاضا تھا، شامل کر لیا۔ اس میدان میں دس سال کی جدوجہد کے بعد اب غیر دینی نظام کی حامی طاقتوں کے مقابلے میں دینی نظام کے حامیوں کی پیش قدمی ایک اہم مرحلے تک پہنچ چکی ہے۔ ملک کے دستور میں دینی نظام کے بنیادی اصول منوائے جا چکے ہیں۔ اور ان منوائے ہوئے اصولوں کو ملک کے نظام میں عملاً نافذ کرانے کا انحصار اب قیادت کی تبدیلی پر ہے۔ اس موقع پر ایک صالح قیادت بروئے کار لانے کے لئے صحیح طریقِ کار یہ ہے کہ اس لائحۂ عمل کے چاروں اجزاء پر توازن کے ساتھ اس طرح کام کرتے ہوئے آگے بڑھا جائے کہ ہر جزو کا کام دوسرے جزو کے لئے موجبِ تقویت ہو، اور جتنا کام پہلے تین اجزاء میں ہو تا جائے، اسی نسبت سے ملک کے سیاسی نظام میں دینی نظام کے حامیوں کا نفوذ و اثر عملاً بڑھتا چلا جائے۔ مگر یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ توازن قائم نہ رہنے کو کسی وقت بھی اس لائحہ عمل کے کسی جزو کو ساقط یا معطل یا مؤخر کر دینے کے لئے دلیل نہ بنایا جا سکے گا۔

علاوہ بریں چونکہ جماعتِ اسلامی اپنے دستور کی رُو سے اپنے پیشِ نظر اصلاح و انقلاب کے لئے جمہوری و آئینی طریقوں پر کام کرنے کی پابند ہے، اور پاکستان میں اس اصلاح و انقلاب کے عملاً رونما ہونے کا ایک ہی آئینی راستہ ہے، اور وہ ہے انتخابات کا راستہ، اس لئے جماعتِ اسلامی ملک کے انتخابات سے بے تعلق تو بہر حال نہیں رہ سکتی، خواہ وہ ان میں بلا واسطہ حصّہ لے یا بالواسطہ یا دونوں طرح۔ رہا یہ امر کہ انتخابات میں کس وقت ان تینوں طریقوں میں کس طریقے سے حصہ لیا جائے، اس کو جماعت اپنی مجلسِ شوریٰ پر چھوڑتی ہے تا کہ وہ ہر انتخاب کے موقع پر حالات کا جائزہ لے کر اس کا فیصلہ کرے۔"

مؤلّف کی متبادل قرارداد اور اس کا حشر

اگر یہ بات کسی درجے میں بھی درست ہے کہ "ایک ہنگامے پہ موقوف ہے گھر کی رونق - نوحۂ غم ہی سہی، نغمۂ شادی نہ سہی!" تو واقعہ یہ ہے کہ اجتماعِ ماچھی گوٹھ میں اصل رونق اس خاکسار کی قرارداد اور تقریر سے پیدا شدہ "ہنگامے" کے باعث ہوئی، اور ع "گر کبھی خلوت میسّر ہو تو پوچھ اللہ سے - قصّۂ آدم کو رنگیں کر گیا کس کا لہو!" کے مصداق اس اجتماع کو اصل رنگ راقم کے

لہو ہی نے فراہم کیا- اس لئے کہ راقم اگرچہ تا حال فیضؔ کے ان دو اشعار کا 'مصداق کامل' تو نہیں بن سکا کہ ؎

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری - تنہا پسِ زنداں' کبھی رسوا سرِ بازار
گرجے ہیں بہت شیخ سرِ گوشۂ منبر - کڑکے ہیں بہت اہل حکم برسرِ دربار!

تاہم اجتماع ماچھی گوٹھ کے دوران وہ اِن کا 'نصف مصداق' ضرور بن گیا- چنانچہ سرِ بازار رسوائی بھی پوری شدّت سے ہوئی' اور ایک داعیٔ اسلام اور قائدِ تحریکِ اسلامی کی سرِ عام مخالفت کا ہدف بھی بننا پڑا- بلکہ مَیں آج بھی سوچتا ہوں تو قسمت کی اس ستم ظریفی پر حیران ہو کر رہ جاتا ہوں کہ اُس وقت حالات ایسے پیدا ہو گئے تھے کہ مجھے پچیّس سال سے بھی کم عمر میں چار و ناچار ایک ایسے شخص کے مدِّ مقابل کی حیثیت سے کھڑا ہونا پڑا' جسے میں اُس وقت تو اپنا مرشد و ہادی سمجھتا تھا' آج بھی کم از کم محسن ضرور سمجھتا ہوں...... اور جو علم و فضل' اور شہرت و وجاہت سے قطع نظر عمر میں بھی میرے والد کے برابر تھا- (مولانا مودودی مرحوم اور میرے والد شیخ مختار احمد مرحوم' دونوں کا سِنِ پیدائش ۱۹۰۳ء ہے)... تاہم اس شدید احساس کے باوجود کہ ع "یہ آج تری دنیا میں ہمیں تقدیر کہاں لے آئی ہے؟" راقم اُس وقت بھی مطمئن تھا اور اب بھی مطمئن ہے کہ یہ صورت اس کے لئے نہ پسندیدہ تھی نہ اختیاری' بلکہ حالات کے اس جبر پر مبنی تھی کہ مولانا امین احسن اصلاحی اور دوسرے معزّز ارا کین مجلس شورٰی تو جن مصلحتوں یا اندیشوں کی بنا پر 'دُبک' گئے تھے وہ ان ہی کو معلوم تھیں' میرے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" پر عمل کرتے ہوئے جماعت اور اس کی قیادت کا حقِ نصح ادا کرنے کی امکان بھر کوشش کروں-

چنانچہ راقم نے مولانا مودودی کی قرارداد کے مقابلے میں ایک متبادل قرارداد پیش کی جس کا متن درج ذیل ہے :

"جماعتِ اسلامی پاکستان کا یہ اجتماعِ ارکان بہت سوچ و بچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اگرچہ جماعت نے پچھلے پندرہ سالوں میں اپنے نصب العین سے اصولاً انحراف نہیں کیا ہے لیکن ۴۷ء میں پاکستان میں نظامِ اسلامی کے قیام کے لئے جو طریق کار جماعت نے

اختیار کیا تھا اور جس پر جماعت تا امروز عمل پیرا ہے وہ مجموعی طور پر اس طریقِ کار سے بالکل مختلف ہے کہ جس پر جماعت کی اساس رکھی گئی تھی۔ یہ طریقِ کار اپنے سابقہ طرزِ عمل سے مختلف بلکہ متضاد ہونے کے علاوہ پاکستان کے عوام اور اس کے برسرِ اقتدار طبقے کے بارے میں کچھ ایسی خوش فہمیوں اور خود جماعت کی طاقت و وسائل و ذرائع کے بارے میں ایسے اندازوں پر مبنی تھا جو بعد میں کلیتہً درست ثابت نہ ہو سکے۔ اس طریقِ کار کے تحت ساڑھے نو سالہ جدوجہد کا منفی طور پر یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوا ہے کہ کوئی اور نظام بھی اس ملک میں اپنی جڑیں گہری نہیں جما سکا لیکن مثبت طور پر نظامِ اسلامی کے قیام کے لئے جو کچھ کیا جا سکا ہے وہ اس طویل اور انتھک جدوجہد کے مقابلے میں بے حد کم ہے کہ جو ان نو سالوں میں جماعت کو کرنی پڑی ہے۔ اس جدوجہد کا ماحصل دستور میں شامل شدہ چند کمزور اور متزلزل اسلامی دفعات اور صرف مسئلۂ دستور پر اس ملک کے سوچنے سمجھنے والے لوگوں کی اسلامی نقطۂ نظر سے علمی راہنمائی کے سوا کچھ نہیں۔ اس عرصے میں نہ تو عوام کی اسلامی نقطۂ نظر سے ٹھوس فکری و ذہنی تربیت کی جا سکی ہے نہ اخلاقی و عملی، اور اس معاملے کا دردناک ترین پہلو یہ کہ اس طریق پر جدوجہد کے دوران جماعت کو نہ صرف اپنے کارکنوں کے سرمایۂ دین و اخلاق اور متاعِ خلوص و للّٰہیت کے ایک حصے کا ضیاع برداشت کرنا پڑا ہے بلکہ اسے خود اپنی بین الاقوامی، اصولی، اسلامی جماعت ہونے کی حیثیت سے ہاتھ دھو کر ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت کی حیثیت اختیار کر لینی پڑی ہے۔

موجودہ طریقِ کار کے غلط ہونے کے علاوہ جماعت کا یہ اجتماعِ ارکان یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اس کے مطابق جدوجہد کو آئندہ جاری رکھنے کی صورت میں جماعت کو جو خطرات پیش آ سکتے ہیں وہ ان تمام نتائج و خدشات کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں جو اس طریقِ کار کو چھوڑ کر سابق طریق کو اختیار کرنے میں پیش آ سکتے ہیں۔

بنابریں جماعت کا یہ اجتماع محسوس کرتا ہے کہ موجودہ طریقِ کار کو اسی لمحہ ترک کر کے اسی طریقِ کار کو اصولاً دوبارہ اختیار کرنے ہی پر جماعت کی اخروی و دنیوی فوز و فلاح کا دارومدار ہے کہ جس پر جماعت کی اساس رکھی گئی تھی۔ چنانچہ یہ اجتماع فیصلہ کرتا ہے کہ ماضی کے بارے میں اس نقطۂ نظر اور مستقبل کے بارے میں اس فیصلے کو اصولاً تسلیم کرنے کے بعد اس کے مطابق آئندہ کا لائحہ عمل تجویز کرنے کے لئے جماعت کے اربابِ حلّ و عقد جمع ہو کر سوچ بچار کریں اور ایک تفصیلی لائحۂ عمل مرتّب کر کے اس اجتماع کے سامنے پیش کریں"۔

اسرار احمد عفی عنہ رکن منتظمہ

ظاہر ہے کہ یہ قرارداد میرے اس مفصل بیان کے حاصلِ بحث اور لبِ لباب کی حیثیت رکھتی تھی' جو میں نے "جائزہ کمیٹی کی خدمت میں[1] "پیش کیا تھا ... اور جس نے نہ صرف ارکان جائزہ کمیٹی بلکہ بہت سے دوسرے اراکینِ مجلسِ شوریٰ کو اس نتیجے تک پہنچانے میں اہم رول ادا کیا تھا جس کے دباؤ کے تحت نومبر دسمبر ۵۶ء کی قرارداد شوریٰ میں ہزار احتیاطوں اور اندیشہ ہائے دور دراز کے باوجود حسب ذیل الفاظ بطور شق نمبر ا شامل ہو گئے تھے :

"جماعت نے تقسیم ملک سے پہلے اور بعد اب تک جو کام کیا ہے اس کے متعلق مجلس شوریٰ اس بات پر مطمئن ہے کہ جماعت اپنے اصول' مسلک اور بنیادی پالیسی سے منحرف نہیں ہوئی ہے' البتہ تدابیر کے صحیح اور غلط ہونے کے بارے میں دو آراء ہو سکتی ہیں اور صحیح قرار دینے کی صورت میں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مفید نتائج کے ساتھ بعض مضر نتائج بھی برآمد ہوئے ہیں ۔ جنہیں رفع کرنے کی ہم سب کو کوشش کرنی چاہئے" ۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے اُس خط میں' جو اجتماع ماچھی گوٹھ کے لئے روانہ ہونے سے قبل منٹگمری ہی سے قائم مقام امیر جماعت چودھری غلام محمد (مرحوم) کے نام پانچ دیگر ارکانِ جماعت کی معیت میں ارسال کیا تھا صراحت کے ساتھ لکھ دیا تھا کہ:" ہمیں اس بات کا پورا موقع دیا جائے کہ ہم اجتماعِ ارکان میں اپنے نقطۂ نظر کو وضاحت سے رکھ دیں ..... مزید تشریح مناسب ہے کہ ہمیں کم از کم اتنا وقت درکار ہو گا کہ ہم اپنے اُس متفقہ بیان[2] کو جو ہم نے جائزہ کمیٹی کے

---

[1] یہ بیان اب "تحریک جماعت اسلامی: ایک تحقیقی مطالعہ" نامی کتاب کی صورت میں مطبوعہ موجود ہے جو بڑے سائز کے ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے... راقم کے پاس اس کا اصل مسودہ تاحال محفوظ ہے اور ان سطور کی تحریر کے وقت ایک ضرورت سے اسے نکال کر دیکھا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ اس کا عنوان اُس وقت میں نے "جائزہ کمیٹی کی خدمت میں!" ہی تحریر کیا تھا۔

[2] واضح رہے کہ جماعت اسلامی منٹگمری کے ان ارکان نے جائزہ کمیٹی سے ملاقات پر بھی یہی کہا تھا کہ ہمارے نظریات تقریباً وہی ہیں جو ڈاکٹر اسرار احمد کے ہیں' اور پھر جب راقم اپنا بیان ضبطِ تحریر میں لے آیا تب بھی انہوں نے اس سے اپنے کامل اتفاق کا اظہار کر دیا تھا!

سامنے پیش کیا تھا پڑھ کر اجتماع ارکان میں سنا دیں اور آئندہ کے بارے میں ایک قرارداد مرتب کر کے اُسے وضاحت کے ساتھ پیش کر سکیں"---اور اس کے ساتھ ہی یہ وضاحت بھی کر دی تھی کہ:"اگر یہ قابل قبول نہ ہو تو ہمیں اجتماع سے قبل ہی مطلع کر دیا جائے- ہم اس کے لئے پورے انشراحِ صدر کے ساتھ تیار ہیں کہ خاموشی کے ساتھ جماعت سے علیٰحدہ ہو جائیں- اور نہ اپنی منزل کھوٹی کریں اور نہ جماعت کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوں! "- اور' جیسے کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے' اس تحریر کے جواب میں ہمیں بذریعہ تار مطلع کیا گیا تھا کہ اجتماع ارکان میں سب کو اظہارِ خیال کا پورا موقع دیا جائے گا-

لیکن جب ماچھی گوٹھ پہنچنا ہوا تو فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ اجتماع کو جس طور سے Conduct کرنے کا فیصلہ ہو گیا ہے اس میں ہمارے مطالبے کا بہ تمام و کمال پورا ہونا تو قطعاً ناممکن ہے' صرف یہ کوشش کی جا سکتی ہے کہ اپنے نقطۂ نظر کو ایک مختصر تقریر میں واضح کیا جائے' اور اس کے لئے اگرچہ میرے پاس اپنے بیان کی صورت میں وسیع مواد اور مفصّل دلائل و شواہد موجود تھے لیکن یہ بہر حال لازم تھا کہ اس طویل بیان میں سے موقع کی مناسبت سے اہم تر مواد کا انتخاب کیا جاتا اور اسے از سرِ نو مرتب کر کے تقریر تیار کی جاتی- اور اس کے لئے' ظاہر ہے کہ' یہ لازم تھا کہ یہ معلوم ہوتا کہ مجھے تقریر کے لئے کتنا وقت دیا جا سکے گا --- لہٰذا میں دورانِ اجتماع قائم مقام امیر جماعت سے اس سلسلے میں مسلسل استفسار کرتا رہا جس کا یہی مستقل جواب ملتا رہا کہ "ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا "-

بنابریں میں اپنی تقریر قطعاً تیار نہ کر سکا... اور جب ع "مری بار کیوں دیر اتنی کری" کے مصداق اجتماع کے تیسرے دن کے تقریباً خاتمے کے لگ بھگ "متبادل قراردادوں" کی باری آئی... اور میرا نام پکارا گیا تو میں تقریباً خالی الذہن کیفیت کے ساتھ اٹھا اور اس نہایت ہی مختصر تمہید کے بعد اپنا بیان پڑھنا شروع کر دیا کہ:

"میں اگرچہ اس وقت شدید مشکل سے دوچار ہوں' اور مجھے مختلف نوع کی بے شمار داخلی اور خارجی رکاوٹوں کا سامنا ہے' تاہم جماعت کی پالیسی اور

طریق کار کے ضمن میں اختلافی ذہن رکھنے والے اکابرین کے مقابلے میں ایک نہایت اہم سہولت بھی مجھے حاصل ہے ------ اور وہ یہ کہ جہاں اس بات کا قوی امکان اور شدید اندیشہ ہے کہ اگر اکابرینِ جماعت میں سے کوئی شخص امیر جماعت' مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی کی قرارداد کے بالمقابل متبادل قرارداد لے کر کھڑا ہو تو یہ گمان کیا جائے کہ وہ خود منصبِ امارتِ جماعت کا طالب اور خواہاں ہے' وہاں بحمد اللہ' میری نوعمری' کم مائیگی اور بے بضاعتی کے پیش نظر' میرے بارے میں ایسے کسی گمان کا کوئی امکان موجود نہیں ہے' ------ اور اپنی پرسوں کی افتتاحی تقریر میں امیر جماعت نے یہ بات دو ٹوک انداز میں کہہ کر کہ: "پالیسی اور طریقِ کار پر بحث و تمحیص کے بعد جس شخص کی بات ارکانِ جماعت مان لیں' پھر اُسی کو جماعت کی رہنمائی کرنی چاہیئے!" اکابرین کے قدموں میں جو بھاری بیڑیاں ڈال دی ہیں' الحمد للہ کہ مشہور فارسی مقولے "عصمتِ بی بی است از بے چادری!" کے مصداق میں اُن سے آزاد ہوں!!"

ان تمہیدی الفاظ کے بعد جب میں نے اپنا بیان پڑھنا شروع کیا تو چند ہی منٹ کے بعد اجتماع میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا[1]- میرے بیان کے آغاز میں چونکہ میرا کچھ ذاتی تعارف بھی شامل ہے تو ابھی میں اسی کو پڑھ رہا تھا کہ ایک ترکستانی قاری صاحب جنہوں نے انقلاب روس کے بعد ہجرت کی تھی اور پہلے افغانستان اور پھر ہندوستان تشریف لائے تھے' اور اُن دنوں اجمل باغ' رحیم آباد' میں قراءت کے استاد

---

[1] اس طوفان کا آغاز تو میرے سٹیج پر آتے ہی ہو گیا تھا۔ چنانچہ سٹیج کے پیچھے ایک میز پر جماعت کے شعبۂ نشر و اشاعت کے جو کارکن بیٹھے ہوئے تھے اُن میں سے مصباح الاسلام فاروقی مرحوم نے فرمایا: "اچھا ہوا کہ گورمانی کے ایجنٹ بھی سامنے آگئے!" (لیکن ظاہر ہے کہ یہ بات اُس وقت میرے علم میں نہیں آئی تھی بلکہ بعد میں بھائی اللہ بخش سیال صاحب کے ذریعے معلوم ہوئی جو پنڈال کے اُس حصّے میں بطور کارکن مامور تھے ------ انہوں نے نہایت درشتی سے فاروقی صاحب کا محاسبہ بھی کیا جس پر مرحوم نے معذرت کر لی! (اللہ ان کی خطا سے درگزر فرمائے اور ان کی مغفرت کرے!)

کی حیثیت سے خدمات سر انجام دے رہے تھے' اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا:" میری عمر مقرّر کی عمر سے بہت زیادہ ہے' اور میں نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا ہے' اگر میں اپنی داستانِ حیات بیان کرنے لگوں تو وہ مہینوں جاری رہے گی' لہٰذا اس سلسلے کو بند کیا جائے!"[1]------ اس کے تھوڑے سے وقفے کے بعد پروفیسر عبد الغفور احمد بڑے غصّے میں اٹھے اور انہوں نے نہایت جلالی شان میں چیخ کر کہا: " ہمارے پاس اس بکواس کو سننے کے لئے کوئی وقت نہیں ہے!" ------اور یہ گویا ایک اشارہ تھا جس پر پنڈال میں ہنگامہ پوری شدّت کے ساتھ برپا ہو گیا- اور بہت سے ارکان نے اپنی اپنی جگہ کھڑے ہو کر بلند آواز میں میرے خلاف گل افشانی شروع کر دی- اور ایک زوردار مطالبہ سامنے آ گیا کہ ڈاکٹر اسرار کو قطعاً وقت نہ دیا جائے!

دوسری طرف ------ بعض حضرات نے اسی شدّومدّ کے ساتھ میری حمایت اور مجھے غیر محدود وقت دینے کے حق میں آواز اٹھائی'------ان میں سے تین حضرات کی باتیں مجھے لفظ بہ لفظ یاد ہیں: (۱) مولانا سیّد وصی مظہر ندوی نے تو صرف اس پر اکتفا کی کہ "میں اپنے حصے کا وقت بھی ڈاکٹر اسرار کو دیتا ہوں"-

(۲) سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم نے فرمایا:" ڈاکٹر اسرار جیسے لوگ تحریکوں کو روز روز نہیں ملا کرتے' انہیں پورا وقت دیا جائے اور اگر اس وجہ سے اجتماع کی کارروائی میں ایک دن کا اضافہ ناگزیر ہو تو اُس کا کل خرچ میں اپنی ذاتی جیب سے ادا کروں گا"------

(۳) سب سے زیادی تیکھی بات راؤ خورشید علی خاں مرحوم نے کہی کہ:" یہاں استبداد (راؤ صاحب نے Repression کا لفظ استعمال کیا تھا) کی بدترین مثال قائم کی جا رہی ہے' ڈاکٹر اسرار اپوزیشن کا لیڈر ہے[2]' اسے بھی اتنا ہی وقت ملنا چاہئے

---

[1] قاری صاحب موصوف کا نام تو مجھے یاد نہیں' لیکن اُن کی صورت ابھی تک نگاہوں کے سامنے موجود ہے' وہ بہت نیک اور مخلص انسان تھے' اور اُن کی جانب سے میرے دل میں ہرگز کوئی شکایت یا کدورت نہیں ہے- ان کا انتقال اجتماع کے بعد جلد ہی ہو گیا تھا-
اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَہٗ وَارْحَمْہُ!

[2] فٹ نوٹ اگلے صفحے پر دیکھیے!

جتنا لیڈر آف دی ہاؤس (یعنی مولانا مودودی مرحوم) نے لیا ہے (گویا چھ گھنٹے!)"۔
------ اس پر خود مولانا مودودی سٹیج پر تشریف لائے اور انہوں نے پہلے تو اس پر شدید احتجاج کیا کہ یہاں وہ اصطلاحات استعمال کی جا رہی ہیں جن کا جماعت اسلامی کے ساتھ سرے سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے' چنانچہ انہوں نے فرمایا: "یہاں نہ کوئی حزب اقتدار ہے' نہ حزبِ اختلاف!" --- اور اس کے بعد کسی قدر غیظ اور غضب کے عالم میں میری وہ نوٹ بک مجھ سے لے کر جس میں میرا بیان درج تھا (اور وہی اصل مسوّدہ تھا) اسے ہاتھ بلند کر کے ہوا میں لہرایا اور فرمایا کہ "اس قدر ضخیم کتاب کو اِس اجتماعِ عام میں کیسے پڑھا جا سکتا ہے ؟"۔

اس پر میدانِ کارزار پھر گرم ہو گیا--- اور دونوں جانب سے تیز و تند جملوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا- اور پورا نصف گھنٹہ اس ہنگامے کی نذر ہو گیا- جس کے دوران میں سٹیج پر مائک کے سامنے چپ چاپ کھڑا دونوں قسم کی باتیں سنتا رہا' اگرچہ ظاہر ہے کہ اُن میں طنز' تمسخر' اور استہزاء ہی نہیں' نفرت' حقارت اور طیش پر مبنی جملوں کا پلڑا بہت بھاری تھا! تاہم راقم کے لئے تو یہ اندازِ مخالفت' اور یہ طرزِ حمایت دونوں ہی

"عجب دو گونہ عذاب است جانِ مجنوں را - عذاب فرقتِ لیلیٰ و صحبتِ لیلیٰ"
کے مصداق یکساں پریشان کن (Embarrasing) تھیں-

بالآخر میں نے مہرِ سکوت کو توڑا اور عرض کیا "مجھے آپ حضرات کی دِقت کا بخوبی اندازہ ہے' ---- لیکن تھوڑی دیر کے لئے آپ حضرات میری مشکل پر بھی غور فرمائیں --- میری مشکل یہ ہے کہ اگر میں اس وقت آپ لوگوں کے سامنے اپنا اختلافِ رائے بیان نہیں کرتا اور جماعت سے علیحدہ ہو کر بات کرتا ہوں تو آپ کا یہ الزام مجھ پر واقع ہو گا کہ تم نے جماعت کے اندر بات کیوں نہ کی؟ ورنہ مجھے نہ

حاشیہ صفحہ سابقہ

راؤ صاحب کے اس ایک جملے سے پورا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اکابر کے خاموش ہونے اور دبک جانے نے کس طرح "کَبُرَنِیْ مَوْتُ الْکُبَرَاءِ" ---------- کے مصداق راقم کو کسی مشکل ہی نہیں نہایت مضحکہ خیز پوزیشن میں ڈال دیا تھا!

تقریر کا ڈھنگ آتا ہے' نہ ہی اس کا شوق ہے! --- اب اگر آپ لوگ مجھے وقت نہیں دے سکتے تو غور فرمالیجئے کہ پھر میری جگہ آپ پر قائم ہو جائے گی کہ آپ نے مجھے جماعت کے اندر رہتے ہوئے اظہارِ اختلاف کا موقع نہ دیا!"[1] بہر حال میں تو اپنے مندرجہ بالا الفاظ کہہ کر سٹیج سے اتر آیا --- لیکن اب مولانا مودودی مرحوم سمیت سٹیج کے آس پاس بیٹھے ہوئے اکابرین میں کھسر پھسر اور صلاح و مشورہ شروع ہوا --- جس کے نتیجے میں اعلان کیا گیا کہ مجھے تین گھنٹے دئے جائیں گے - اگرچہ اُن میں وہ نصف گھنٹہ بھی محسوب ہو گا جو پہلے ہی صَرف ہو چکا ہے -

اس پر میں نے اپنا بیان دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا - لیکن اس حال میں کہ ایک جانب مسلسل ہوٹنگ ہوتی رہی اور دل آزار اور اشتعال انگیز فقرے چُست کئے جاتے رہے' دوسری جانب میں خالی الذہن تو پہلے ہی سے تھا' اب نصف گھنٹے کے شدید ہنگامے (Pandemonium) اور مسلسل ہوٹنگ سے میرے اعصاب بھی متأثر ہو چکے تھے --- اور تیسری جانب وقت کی پابندی کے باعث مجھے اپنے بیان کے بعض حصے چھوڑنے پڑ رہے تھے جس سے عبارت کا ربط اور تسلسل

---

[1] میں نے اپنی اس وقت کی جس داخلی کیفیت کی ترجمانی ان الفاظ سے کی تھی اجتماع ماچھی گوٹھ کے کچھ ہی عرصہ بعد فیض احمد فیض کی ایک نظم میں مجھے اُس کی نہایت بھرپور اور حد درجہ فصیح و بلیغ ترجمانی نظر آئی۔ جناب فیض کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

"دُشنام ' نالہ ' ہاؤ ہو ' فریاد ' کچھ تو ہو !
چیخے ہے درد ! اے دلِ برباد کچھ تو ہو !

مرنے چلے تو سطوتِ قاتل کا خوف کیا ؟
اتنا تو ہو کہ باندھنے پائے نہ دست و پا !
مقتل میں کچھ تو رنگ جمے جشنِ رقص کا !

آلودہ خوں سے پنجۂ صیّاد کچھ تو ہو !
خوں پر گواہ دامنِ جلّاد کچھ تو ہو !
جب خوں بہا طلب کریں بنیاد کچھ تو ہو ! "

ٹوٹ رہاتھا'-اور بالآخر وقت معینہ میں پورا بیان ختم بھی نہ ہو سکااور مجھے بات ادھوری ہی چھوڑ کر سٹیج سے اتر آنا پڑا --- بنابریں مجھے اپنے اور اپنی قرارداد کے اس حشر پر تو ہرگز تعجب نہیں ہوا کہ اس کے حق میں صرف چار ووٹ آئے' البتہ اس پر ضرور تعجب ہوا کہ بڑے ہی باہمت تھے وہ لوگ جنہوں نے مجھے ووٹ دیئے!!

تاہم اس سرگزشت میں ایک اہم لمحۂ فکریہ ہے مولانا امین احسن اصلاحی اور ان کے ہم خیال دوسرے اکابرین اور اراکین مجلسِ شوریٰ کے لئے کہ اگر مجھ ایسے نوعمر' حقیر اور بے بضاعت شخص کو اس اجتماع میں اتنا وقت مل سکتا تھا' اور وہ بھی مولانا مودودی ایسی عظیم شخصیت کی مخالفت کے علی الرّغم' تو اگر وہ بھی کمر ہمّت کس لیتے تو ۔ "اٹھ باندھ کمر' کیا ڈرتا ہے- پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے!" کے مصداق نصرتِ خداوندی ضرور دست گیری کرتی اور کیا عجب کہ جماعت کا رخ تبدیل ہو جاتا...... تاہم یہ صرف ایک دکھے ہوئے دل کی صدا ہے' ورنہ ع "مجھے ہے حکم اذاں 'لا الٰہ الّا اللہ!!" کے مصداق ہمیں تو اسی کا حکم ہے کہ اس پر ایمان پختہ رکھیں کہ "مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَالَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ" ----------- اور "اِنَّ کَلِمَۃَ لَوْ تَفْتَحُ عَمَلَ الشَّیْطَانِ"...واللہ اعلم!!

دیگر قراردادیں اور تقاریر

میری متبادل قرارداد کے علاوہ مولانا مودودی کی قرارد میں جو ترامیم تجویز کی گئیں ' یا دیگر متبادل قراردادیں پیش کی گئیں ان کی راقم کے ذہن میں بھی صرف ایک دھندلی سی یاد باقی ہے' --- اور خود متعلقہ حضرات کو بھی زیادہ تفاصیل یاد نہیں' لہٰذا اُن کا صرف اجمالی تذکرہ کافی ہے-

۱- جناب ارشاد احمد حقانی نے ایک متبادل قرارداد پیش کی تھی اور اس پر تقریر بھی کی تھی' لیکن اب اِن دونوں کا کوئی ریکارڈ موجود نہیں ہے' تاہم انہیں ووٹ مجھ سے زیادہ ملے تھے- یعنی اغلباً ۱۸-

اس سے بھی اہم تر معاملہ اُن کا اس وقت سامنے آیا جب آئندہ جماعت میں پالیسی اور طریقِ کار کے ضمن میں اختلافی ذہن رکھنے والے لوگوں کے لئے 'گنجائش'

پیدا کرنے کا مسئلہ زیر بحث تھا اور اس سلسلے میں بھی ایک قرارداد پر غور ہو رہا تھا جس میں تجویز کیا گیا تھا کہ "جماعت کی پالیسی سے اختلاف رکھنے والے لوگ بھی اگر جماعت کے مقصد اور نصب العین سے پورا اتفاق رکھتے ہوں تو جماعت میں شامل رہ سکتے ہیں' تاہم وہ اپنا اختلافِ رائے سوائے آل پاکستان اجتماعِ ارکان کے نہ پبلک میں بیان کر سکیں گے نہ خود ارکانِ جماعت کے مقامی' ضلعی' حتیٰ کہ حلقہ وار اجتماعات میں! اور یہ پابندی قلم پر بھی ہو گی اور زبان پر بھی' یہاں تک کہ خالص نجی گفتگوؤں میں بھی اپنے اختلافی خیالات کا اظہار ممنوع ہو گا" (واضح رہے کہ یہ سب یادداشت کی بنا پر تحریر کیا جا رہا ہے اور اس میں لفظی غلطی کا امکان موجود ہے' تاہم حاصلِ کلام یقیناً یہی تھا!) --- تو اس پر حقانی صاحب نے کہا کہ "ایسے اہم مسئلے کو اس طرح رَوا رَوی میں طے کرنا غلط ہے' ہمیں اس قرارداد کی نقول مہیا کی جائیں اور اس پر غور و خوض کا موقع بھی دیا جائے اور بحث و تمحیص کا بھی!"- اور جب انہیں قیمِ جماعت میاں طفیل محمد صاحب نے جواب دیا کہ آپ کا یہ مطالبہ منظور کرنا ممکن نہیں تو اس پر انہوں نے اجلاس سے احتجاجاً واک آؤٹ کیا جس پر مولانا مودودی یہ کہتے ہوئے سنے گئے: "یا اللہ یہ میں جماعت میں کیسی باتیں دیکھ رہا ہوں!"- حقانی صاحب کے اس احتجاجی واک آؤٹ میں مولوی محی الدین سلفی مرحوم نے بھی ساتھ دیا اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے پنڈال سے باہر چلے گئے! ----- بہر نوع وہ قرارداد بھی پاس ہو گئی' اور اس طرح پالیسی اور طریق کار کے ضمن میں اختلافی ذہن رکھنے والوں پر متذکرہ بالا جملہ قدغنیں اور پابندیاں عائد ہو گئیں۔

۲- جناب مصطفےٰ صادق صاحب نے سرکاری قرارداد سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے یہ موقف اختیار کیا کہ "ہم کارکنوں کی اصل مشکل یہ ہے کہ ہمارے سامنے جو پالیسی مقالات' مضامین' تقاریر' اور مرکزی شوریٰ کے فیصلوں کی صورت میں آتی ہے' ہم اسے حرزِ جان بنا لیتے ہیں اور اس پر خود بھی دھواں دھار تقریریں اور گرما گرم بحثیں شروع کر دیتے ہیں' --- لیکن پھر اچانک ہمارے سامنے عمل بالکل مختلف بلکہ متضاد صورت میں آتا ہے" (روایت بالمعنیٰ) ----- اس ضمن میں انہوں نے جماعت کی انتخابی پالیسی کا بطورِ خاص ذکر کیا اور

پھر وہ واقعات گنوائے جن سے ظاہر ہوا کہ عملاً اس پالیسی کی دھجیاں مرکز اور حلقہ جات کے اہم ترین اور ذمہ دار ترین لوگوں نے خود اپنے ہاتھوں بکھیری ہیں - مثلاً (۱) خود مولانا مودودی نے انہیں حکم دیا کہ مولانا محی الدین لکھوی کو ان کے گاؤں سے لے کر آئیں اور ان کا ووٹ میاں عبد الباری مرحوم کے حق میں ڈلوائیں - جبکہ میاں صاحب موصوف مروّجہ نظام انتخابات کے تحت ہی الیکشن میں حصہ لے رہے تھے اور بطور خود امیدوار تھے اور امیدواری کو ہم نے حرامِ مطلق قرار دیا ہے - انہوں نے کہا کہ میں نے اس حکم کی تعمیل "زیرِ احتجاج" (یعنی Under Protest) کی کہ یا تو آپ اپنا موقف علی الاعلان بدلیں اور اگر کوئی غلط رائے سہواً قائم ہو گئی تھی تو اس سے علانیہ رجوع کریں ----- ورنہ اس پر سختی سے عمل کریں - (۲) اسی طرح بہاولپور کے الیکشن میں جماعت نے ووٹروں کو خوب کھانے بھی کھلائے اور ان کے لئے ٹرانسپورٹ بھی فراہم کی - اور پھر حسابات بالکل جعلی اور جھوٹے پیش کر دئے! اس پر بعض حضرات نے تو دبے الفاظ میں تردید کی کوشش کی لیکن (جناب مصطفےٰ صادق کے بیان کے مطابق) ملتان کے سید نصیر الدّین مرحوم اور صادق آباد کے بھائی (وہ میرے بہنوئی ہیں) اللہ بخش سیال صاحب نے سٹیج پر آ کر بیان دیا کہ "یہ الزام غلط ہے" --- حسابات ہم نے پیش کئے تھے، اور وہ بالکل صحیح اور مطابقِ واقعہ تھے" --- تب سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم خود کھڑے ہوئے اور انہوں نے فرمایا کہ: "اس الیکشن میں جماعت کے پنچائتی نظام کے تحت نمائندہ میں تھا اور میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کہتا ہوں کہ سید نصیر الدین اور اللہ بخش سیال کے بیان سے بڑا جھوٹ ہو ہی نہیں سکتا!" -

اس ناگوار بحث کو تو اگرچہ مولانا مودودی مرحوم نے خالص پارلیمنٹری لطائف کے انداز میں یہ کہہ کہ ختم کر دیا کہ "سردار صاحب، تب تو اصل مجرم آپ ہیں، اور اس سارے معاملے کی جواب دہی آپ کو کرنی چاہئے!" --- لیکن مصطفےٰ صادق صاحب کی اس پوری گفتگو کا گہرا اثر ارکانِ جماعت کی بہت بڑی تعداد نے قبول کیا --- چنانچہ انہیں اہلِ اختلاف میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل ہوئے --- یعنی ان کی یادداشت کے مطابق ۱۳۸ تا ۱۴۸ - جن میں ایک ووٹ (بقول

خود ان کے) شیخ سلطان احمد صاحب (کراچی) کا بھی تھا جو پورے اجتماع کے دوران قطعاً خاموش تماشائی بنے رہے تھے بلکہ کراچی سے روانہ ہی یہ کہہ کر ہوئے تھے کہ:
"میں تو ایک ڈرامہ دیکھنے جا رہا ہوں!"-

۳- سب سے زیادہ مضحکہ خیز معاملہ حکیم عبد الرحیم اشرف صاحب کا ہوا کہ انہوں نے ایک باقاعدہ متبادل قرارداد پیش کی --- اور اس کے حق میں ایک مفصّل اور مدلّل تقریر بھی کی، لیکن تقریر کے اختتام پر 'رائے شماری کی ذلت سے بچنے کی خاطر' اپنی قرارداد واپس لے کر سٹیج سے اتر آئے! - فیا للعجب!!

ملتوی شدہ 'قرارداد اعتماد
اور امارتِ جماعت سے استعفے کی واپسی کیلئے مولانا مودودی کی شرائط

پالیسی کی بحث کے اس طرح اختتام پذیر ہو جانے کے بعد مولانا مودودی پر اظہارِ اعتماد کی وہ قرارداد دوبارہ پیش ہوئی جس سے اجتماع کی کارروائی کا آغاز ہوا تھا لیکن جس پر گفتگو کو مولانا مودودی نے میرے نکتۂ اعتراض سے اتفاق کرتے ہوئے ملتوی کر دیا تھا- اور اجتماع کی جو روداد اوپر درج ہو چکی ہے اس کے پیش نظر ظاہر ہے کہ اب اس قراردادِ اعتماد کا بھاری اکثریت سے منظور ہونا ہر اعتبار سے فطری بھی تھا اور منطقی بھی! بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اب اُس کا رسمی (Formal) طور پر پیش ہونا بھی نرا تکلّف تھا!

تاہم پالیسی کے ضمن میں اُن سے اختلاف رکھنے والے جملہ اکابر و اصاغر پر "فتح مبین" حاصل کر لینے کے باوجود مولانا مودودی نے امارت جماعت سے اپنا استعفاء واپس لینے اور دوبارہ امارت کی ذمّہ داری سنبھالنے میں پس و پیش سے کام لیا- اس سلسلے میں اُن کا موقف یہ تھا کہ:

> "جماعت کی امارت کی ذمّہ داریاں ادا کرنے کے معاملے میں میری راہ میں کچھ مشکلات اور موانع حائل ہیں- جب تک وہ دور نہ ہوں میں امارت کی ذمّہ داری نہیں سنبھال سکتا- مزید برآں وہ موانع و مشکلات ایسی ہیں کہ انہیں ارکان جماعت کے اجتماع عام میں بیان کرنا بھی میرے نزدیک قرینِ

مصلحت نہیں ہے' لہٰذا میں تجویز کرتا ہوں کہ جماعت کے جملہ تنظیمی حلقوں سے فی حلقہ دو دو افراد منتخب کر لئے جائیں جن کے سامنے میں اپنی مشکلات بیان کر دوں ------ پھر اگر وہ میری راہ کے ان موانع کو دور کرنے کی کوئی راہ نکالنے میں کامیاب ہو جائیں تو میں اپنا استعفاء واپس لے لوں گا اور امارتِ جماعت کی ذمہ داری دوبارہ سنبھال لوں گا" (روایت بالمعنیٰ)

اب ظاہر ہے کہ اس وقت تک ارکانِ جماعت کی ایک عظیم اکثریت "کشتگانِ خنجرِ تسلیم" کی صورت اختیار کر ہی چکی تھی لہٰذا مولانا کی یہ تجویز فی الفور منظور ہو گئی - اور جھٹ پٹ ارکانِ جماعت کی ایک نہایت محدود تعداد (جو کسی طرح بھی بیس سے زائد نہیں ہو سکتی) پر مشتمل وہ "مجلسِ نمائندگان" وجود میں آ گئی جسے بعد میں مولانا اصلاحی نے "خلوتیانِ راز کی محفل" سے تعبیر کیا-

اس مجلس میں' یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ' کسی بھی اختلاف کرنے والے شخص کا منتخب ہونا خارج از امکان تھا' لہٰذا اس میں ہماشما کا تو ذکر ہی کیا' مولانا اصلاحی سمیت اختلافی ذہن رکھنے والا کوئی رکن شوریٰ بھی منتخب نہیں ہوا-

خلوتیانِ راز کے اس دیوانِ خاص میں ع "بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صباچہ کرد ؟" کے مصداق مولانا نے کیا فرمایا' نمائندگان میں سے کس نے کیا کہا' اور کیا فیصلے ہوئے اس کی اس مجلس کے شرکاء کے سوا کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ چنانچہ وہاں ناز و نیاز کے کون کون سے مراحل طے ہوئے' اور بالآخر کیا قول و قرار ہوئے یہ سب باتیں سربستہ راز رہیں اور مولانا امین احسن اصلاحی ایسی اہم شخصیت کے علم میں بھی یہ باتیں کئی ماہ بعد اس وقت آئیں جب کوٹ شیر سنگھ کے اجتماعِ شوریٰ میں یہ پٹاری کھلی اور اس میں سے بقول مولانا اصلاحی وہ "بلّی" برآمد ہو گئی جسے انہوں نے لگ بھگ دس سال قبل' کئی سال کی مسلسل کوششوں سے بزعمِ خویش ہلاک کر دیا تھا!

بہر حال یہ ہے وہ "مجلس نمائندگان" کا اجلاس جس میں مولانا مودودی نے اپنی وہ تقریر جواب پہلی بار ہفت روزہ 'آئین' کے ماہانہ ایڈیشن بابت ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ میں شائع ہوئی ہے (اور جسے ہم بھی 'میثاق' بابت دسمبر ۱۹۸۹ء میں من و عن نقل کر چکے

ہیں) یا تو پوری کی پوری کی' یا اُس کا خلاصہ پیش کر دیا- اور قرائن یہی کہتے ہیں کہ مجلس نمائندگان نے مولانا مودودی کے نقطۂ نظر کو من و عن قبول کرتے ہوئے ایسے پختہ قول و قرار اور مؤثق وعدہ و وعید کر لئے جن کے نتیجے میں جماعتِ اسلامی کا وہ نیا دستور عالمِ وجود میں آیا جس کے بارے میں مولانا اصلاحی نے اپنے گشتی مراسلے میں یہ الفاظ تحریر کئے کہ:" اس نئے دستور کو کوئی سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو مگر میں سمجھتا ہوں- اس کا خلاصہ دو لفظوں میں یہ ہے سارے اختیارات مجلسِ عاملہ کو حاصل ہیں اور مجلسِ عاملہ امیر جماعت کی جیب میں ہے"؟ ------ بہر حال اس مسئلے کے بارے میں راقم کو اس وقت کچھ عرض نہیں کرنا' اس پر اپنا محاکمہ ہم علیٰحدہ تحریر کریں گے-

البتہ ایک واقعے کا تذکرہ مناسب ہے اور وہ یہ کہ غالباً اسی بحث کے دوران جائزہ کمیٹی کے ارکان کے خلاف مولانا مودودی کا الزام نامہ یا فردِ قرارداد جرم بھی زیرِ بحث آئی- اور اب اگرچہ یہ بالکل یاد نہیں آتا کہ یہ بحث کب' کس کی جانب سے' اور کس انداز میں شروع ہوئی- تاہم یہ اچھی طرح یاد ہے کہ اس پر بھی ایوان میں پھر ایک بار خوب گرمی سردی پیدا ہوئی' اور یہ منظر بھی راقم کی نگاہوں کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ اس بحث کی گرما گرمی میں ایک موقع پر مولانا مودودی اس درجہ غضب ناک ہو گئے تھے کہ وہ روسٹرم جس کا مولانا نے سہارا لیا ہوا تھا بُری طرح آگے پیچھے جھول رہا تھا- یہاں تک کہ ایک مرحلے پر سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کو اندیشہ ہوا کہیں مولانا روسٹرم سمیت سٹیج سے نیچے نہ گر جائیں- چنانچہ بعض لوگوں نے فوری طور پر اٹھ کر روسٹرم کو سہارا دیا--- اگرچہ خود مولانا نے اس پر کسی قدر کھسیانی ہنسی ہنستے ہوئے فرمایا: "اچھا تو آپ لوگ ڈر رہے تھے کہ میں گر جاؤں گا"-

بہر حال' اصل مسئلے کے ضمن میں مولانا نے فرمایا کہ:" میں اُن تمام حضرات کو جن کی رائے یہ ہے کہ میں نے ارکانِ جائزہ کمیٹی کے خلاف جو اقدام کیا وہ دستورِ جماعتِ اسلامی کی حدود سے تجاوز کے مترادف ہے' چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ملک میں دستوری قوانین کے جس ماہر کو چاہیں اُس کے سامنے یہ مسئلہ پیش کر کے

فیصلہ حاصل کر لیں - اُس ماہر قانون کی پوری فیس میں اپنی ذاتی جیب سے ادا کر دوں گا" --- مولانا کے اس چیلنج کا بھی غالباً کوئی فوری جواب نہ ارکانِ جائزہ کمیٹی میں سے کسی کی جانب سے آیا' نہ ہی مولانا اصلاحی یا کسی دوسرے رکن جماعت یا رکن شوریٰ کی جانب سے ! واللہ اعلم !!

☆ ☆ ☆

یہاں ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکانِ جماعتِ اسلامی کی روداد' جتنی اور جیسی کچھ یادداشتوں کی مدد سے مرتّب کی جا سکی' ختم ہوتی ہے ------ البتہ صرف دو باتیں مزید تذکرہ کے لائق ہیں' اگرچہ اُن کی اہمیت عمومی نہیں' راقم الحروف کے لئے ذاتی ہے -

ایک یہ کہ جب راقم اپنا بیان ختم کر کے سٹیج سے نیچے اُترا ------ اور از خود یا مولانا مودودی کے طلب فرمانے پر اُن کے پاس گیا' تو مولانا نے فرمایا: "آپ کو معلوم ہے کہ مجھے آپ سے کتنی محبت ہے؟" - جس کا جواب میں نے یہ دیا کہ: "مولانا مجھے اس کا پورا اندازہ ہے --- اور میں نے اپنی دانست میں اسی کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے" - اس پر' یہ قطعاً یاد نہیں کہ' مولانا مرحوم کا ردِّ عمل کیا تھا!

دوسرے یہ کہ جب اجتماع کے خاتمے کے بالکل قریب ارکان کے حلقہ وار اجلاس ہو رہے تھے تو میں نے محسوس کیا کہ امیر حلقۂ اوکاڑہ چودھری عبد الرحمٰن مرحوم مجھے ایسی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں جن میں حد درجہ محبت اور شفقت بھی شامل ہے اور کسی قدر خوف اور اندیشہ بھی ! ------ اس پر جب میں نے اُن سے عرض کیا کہ: "چودھری صاحب آپ پریشان نہ ہوں' میں جماعت سے علیحدہ نہیں ہوں گا" تو وہ منظر بھی میری نگاہوں کے سامنے پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے کہ ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی' چنانچہ ان کا چہرہ بھی گلنار ہو گیا --- اور وہ فوراً اٹھ کر سٹیج کے پاس گئے اور وہاں بات طے کر کے آئے اور مجھے حکم دیا کہ یہی بات سٹیج سے بھی کہہ دو - چنانچہ میں سٹیج پر گیا اور میں نے وہاں یہ الفاظ کہے کہ:

"اگرچہ پالیسی کے بارے میں میری رائے اب بھی وہی ہے جو میں نے اپنے بیان میں ظاہر کی' اور ادب کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اس ضمن میں مجھے امیرِ جماعت کی طویل تقریر میں قطعاً کوئی روشنی نہیں ملی ---- تاہم میں جماعت میں شامل رہوں گا' اس لئے کہ میں جماعت کے بغیر اپنے وجود کا تصوّر تک نہیں کر سکتا!"

چنانچہ اس پر پورے پنڈال میں خوشی کی ویسی ہی لہر دوڑ گئی جیسی مجھے چودھری عبد الرحمٰن خاں مرحوم کے چہرے پر نظر آئی تھی!

۳- اس کے ساتھ ہی ایک تیسرا واقعہ بھی جو دفعتہً یاد آ گیا ہے بیان کر دینا مناسب ہے - اور وہ یہ کہ دورانِ اجتماع ایک مرحلے پر جماعتِ اسلامی منٹگمری کے دو ارکان نے جو میرے پوری طرح ہم خیال تھے مجھ پر دباؤ ڈالا اور شدید اصرار کیا کہ ہمیں فوری طور پر یہیں با جماعت رکنیت سے استعفاء دے دینا چاہئے تو میں انہیں اجتماع گاہ سے باہر ریلوے لائن پر لے گیا اور وہاں چہل قدمی کرتے ہوئے انہیں سمجھایا کہ: "اس اجتماع میں میں شدید ذہنی و قلبی اذیت سے دوچار رہا ہوں' اس کیفیت میں کوئی فیصلہ کن قدم اٹھانا میرے نزدیک اصولی طور پر غلط ہے ------ میں یہاں سے واپس جا کر پر سکون ماحول میں ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ پورے معاملے پر از سرِ نو غور کروں گا' --- اور رمضان المبارک قریب ہے' اس میں جتنے دن بھی میسر آ سکے اُن میں اعتکاف کروں گا اور اُسی میں اپنے مستقبل کے بارے میں آخری فیصلہ کروں گا!" - (یہ دو ارکانِ جماعت جن کا تعلّق اصلاً تو پاک پتن سے تھا لیکن کچھ حالات کی نا مساعدت کے باعث وہ ایک عرصے سے منٹگمری میں اقامت پذیر تھے سید شیر محمد شاہ' اور نور محمد قریشی صاحب تھے!)

اجتماعِ ماچھی گوٹھ کے بعد

ماچھی گوٹھ سے واپسی کے بعد کے دو ماہ راقم الحروف پر شدید ذہنی کشمکش اور روحانی کرب کے عالم میں گزرے - اور ان کے دوران راقم ایک سہ گونہ عقدۂ لاینحل (Three Dimensional Dilemma) کی گتھیوں کو سلجھانے میں سرگرداں رہا- چنانچہ:

(۱) ایک جانب جماعت اسلامی کے قیام کا مقصد اور اُس کا نصب العین' اُس کا پیش کردہ تصوّرِ دین' اور اس کا ایک عرصے کے بعد از سرِ نو واضح کردہ تصوّرِ فرائضِ دینی ایسے اہم اور اساسی امور تھے جن کی حقّانیت مجھ پر دن بدن واضح سے واضح تر ہوتی چلی گئی تھی- تا آنکہ اُس وقت تک بحمد اللہ میری رسائی قرآن حکیم کے علم و حکمت کے اُن گوشوں تک براہ راست ہو چکی تھی جن سے یہ امور ماخوذ اور مستنبط تھے! لہٰذا اپنی دینی ذمّہ داریوں سے گریز اور فرائض دینی کی ادائیگی سے فرار کی جملہ راہیں راقم کے لئے مسدود ہو چکی تھیں- گویا راقم کا حال فیضؔ کے اس شعر کے مطابق تھا کہ ؎

جُزدار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ
ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں!

(۲) دوسری طرف جماعتِ اسلامی کی پوری قیادت سے شدید مایوسی کی کیفیت تھی جو اجتماع ماچھی گوٹھ کے باعث شدید تر ہی نہیں وسیع تر بھی ہو گئی تھی- اس لئے کہ اب یہ کیفیت صرف مولانا مودودی اور اُن کے ہم نوا لوگوں کے بارے ہی میں نہیں تھی' مولانا اصلاحی اور اُن کے ہم خیال حضرات کے بارے میں بھی تھی --- بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے بعد اس ضمن میں مؤخر الذکر کا پلڑا بھاری ہو چکا تھا-

اس سلسلے میں اپنے شدّتِ احساس کے اظہار کے لئے اُس واقعے کے بیان میں کوئی حرج نہیں ہے کہ ماچھی گوٹھ کے اجتماع سے فراغت کے فوراً بعد صادق

آباد میں سردار محمد اجمل خان لغاری سے ملاقات ہوئی تو گفتگو کے دوران میری مایوسی اور دل شکستگی ان الفاظ کا جامہ پہن کر زبان پر آ گئی کہ: "میں اس وقت جماعتِ اسلامی کا 'ابلیس' ہوں!"- اس پر اُس شدید قلبی لگاؤ کی بنا پر جو سردار صاحب مرحوم کو مجھ سے تھا ان کی زبان سے فوراً یہ الفاظ نکلے "معاذ اللہ! معاذ اللہ!! خدا کے لئے ایسے الفاظ زبان سے نہ نکالیں!"--- تب میں نے وضاحت کی کہ "ابلیس کے لفظی معنی انتہائی مایوس شخص کے ہیں' اور اس وقت میرا حال واقعتہً یہ ہے کہ میں جماعت کی پوری قیادت سے انتہائی درجہ میں مایوس ہو چکا ہوں' اس لئے کہ مولانا مودودی اور ان کے ہم نوا حضرات سے تو میں ماچھی گوٹھ آنے سے قبل ہی مایوس ہو چکا تھا' ماچھی گوٹھ میں مولانا اصلاحی اور اُن کے ہم خیال لوگوں کے طرزِ عمل کو دیکھ کر اُن سب سے بھی قطعاً مایوس ہو گیا ہوں' تو بتایئے کہ اب میرے لئے امید کی روشنی کہاں باقی رہ گئی؟"-

(۳) تیسری جانب یہ اندیشہ شدّت کے ساتھ لاحق تھا کہ جماعتی زندگی کے سہارے کے بغیر موجودہ حالات میں انسان کا عزیمت کی راہ پر گامزن رہنا تو درکنار کسی مقام پر کھڑے رہنا بھی ناممکن کی حد تک مشکل ہے- اس لئے کہ انسان اگر مسلسل آگے نہ بڑھ رہا ہو تو ع "سکوں محال ہے قدرت کے کارخانے میں" کے مطابق ایک مقام پر کھڑے رہنا بھی ممکن نہیں ہوتا بلکہ گوناگوں 'عذرات' کی بنا پر فوراً ریورس گیئر (Reverse Gear) لگ جاتا ہے اور انسان 'رخصت' کی ڈھلوان راہ پر پھسلتا چلا جاتا ہے! ----- اِدھر "من آنم کہ من دانم" کے مصداق اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کی "بضاعتِ مزجات" (سورہ یوسف: ۸۸) اور اِس سے بھی بڑھ کر اپنی کم عمری بھی لامحالہ پیش نظر تھی لہٰذا اس کا کوئی امکان نظر نہ آتا تھا کہ خود اپنے بل پر کسی نئی جماعت یا تنظیم کے قیام کی کوشش کی جائے!!

اس سلسلے میں بھی ایک لطیفہ (یا کثیفہ؟) ریکارڈ پر آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے- اجتماع ماچھی گوٹھ سے متصلاً قبل کا ذکر ہے کہ ایک روز شاہ عالم مارکیٹ لاہور کے ایک ہوٹل میں حکیم عبدالرحیم اشرف اور ان کے ہم خیال و ہم نوا' اور

کاروباری شریک چودھری عبد الحمید (مرحوم) سے ملاقات ہوئی تو اثنائے گفتگو میں حکیم صاحب کی زبان سے مولانا مودودی کی شان میں ایک استہزائیہ جملہ نکل گیا۔ اس پر میں اُن پر برس پڑا اور میں نے نہایت درشتی اور گستاخی کے ساتھ کہا: "حکیم صاحب! آپ لوگوں کا معاملہ تو یہ ہے کہ جماعت میں شامل ہونے سے پہلے بھی مولوی تھے' اور نماز روزہ اور شعائرِ دینی کے پابند' آپ نے جماعت میں شامل ہو کر گویا اپنے مذہبی لباس پر تحریک اور تنظیم کی شیروانی مزید پہن لی تھی' اور اب اگر آپ اس شیروانی کو اتار بھی دیں گے تو کوئی بڑی بات نہیں ہو گی' اس لئے کہ اندر سے مکمل مولوی پھر برآمد ہو جائے گا' جبکہ ہمارا معاملہ اس کے برعکس بہت نازک ہے' ہمارا دین و مذہب سے کل تعلق اس کے حرکی تصوّر کے حوالے سے ہے اور شدید خطرہ ہے کہ اگر تحریکی وابستگی برقرار نہ رہے تو کہیں نماز روزہ سے بھی نہ جاتے رہیں' اور چہروں سے داڑھیاں تک غائب نہ ہو جائیں!" - (اس پر حکیم صاحب موصوف نے جو جواب دیا وہ اگرچہ اس وقت کی گفتگو سے تو متعلق نہیں ہے' تاہم مناسب ہے کہ ریکارڈ پر لے آیا جائے' انہوں نے فرمایا: "ڈاکٹر صاحب! آپ اِس وقت صدمہ کی جس کیفیت سے دوچار ہیں' ہم اُس سے گزر چکے ہیں' اور اب ہم پر اُس شخص کی سی کیفیت طاری ہے جو اپنی مایوسی اور دل شکستگی کے کرب کو خوش گپیوں کے ذریعے کم کرنے کی کوشش کرتا ہے!") -----

قصّہ مختصر' اواخر فروری ۱۹۵۷ء سے اواخر اپریل تک کے دو ماہ راقم پر

"اِسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں - کبھی سوز و سازِ رومی کبھی پیچ و تابِ رازی" کے مصداق اسی "پس چہ باید کرد" اور

"To Be Or Not To Be Is The Question"

کی ادھیڑ بُن میں گزرے --- تا آنکہ ماہِ رمضانِ مبارک کا آخری عشرہ آن پہنچا تو میں اس کے نصفِ آخر میں (زندگی میں پہلی بار) اعتکاف کے لئے منٹگمری کے محلہ اسلام آباد کی جامع مسجد میں داخل ہو گیا جس کے امام اور خطیب مولوی شمس الدین

صاحب تھے جو مقامی جماعت کی امارت سے میری معزولی[1] کے بعد سے اس منصب پر فائز تھے۔

اعتکاف کی حالت میں کامل یکسوئی کے ساتھ غور و فکر کے باوجود پورے تین دن اسی تذبذب کے عالم میں گزرے ------ لیکن چوتھے روز علی الصبح مولوی شمس الدین صاحب ماہنامہ ترجمان القرآن کا تازہ پرچہ لے کر آئے تو گویا مجھے اشارۂ غیبی حاصل ہو گیا۔ اس لئے کہ اس کے "اشارات" میں مولانا مودودی نے "ضعفِ ارادہ بسیط" اور "ضعفِ ارادہ مرکّب" کے حوالے سے جماعت کی پالیسی اور طریق کار کے بارے میں اختلافِ رائے کے حامل لوگوں کی کردار کشی کی بھرپور کوشش کی تھی۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اگرچہ ماچھی گوٹھ میں اختلاف رکھنے والے لوگوں پر جن حدود و قیود، اور پابندیوں اور قدغنوں کا فیصلہ ہوا ہے

---

[1] یہ معاملہ بھی دلچسپ اور لائق ذکر ہے۔ اواخر اکتوبر یا اوائل نومبر ۱۹۵۶ء تک، جب میری حاضری یا "پیشی" بمقام اوکاڑہ جائزہ کمیٹی کے سامنے ہوئی، میں مقامی جماعتِ ساہیوال کا امیر تھا۔ لیکن جیسے ہی میرے اختلافی خیالات کی بھنک مرکز میں پہنچی، میری معزولی کا حکم صادر ہو گیا۔ میں نے احتجاجاً امیر جماعت کی خدمت میں عریضہ ارسال کیا کہ اگرچہ پالیسی کے بارے میں میری رائے مختلف ہے، تاہم میں نے جماعت کے لئے سرگرمی کے ساتھ کام کرنے میں ہرگز کوئی کمی نہیں کی ہے، تو کیا صرف اختلافِ رائے بھی کوئی جرم ہے؟ ------ مزید برآں جماعت کے دستور کی رو سے امیر حلقہ تو مرکز کا نامزد کردہ ہوتا ہے لہٰذا اُس کی معزولی کا اختیار بھی مرکز کو ہے، لیکن مقامی جماعت کے امیر کو تو ارکان جماعت منتخب کرتے ہیں، لہٰذا اسے معزول کرنے کا اختیار بھی ان ہی کو ہونا چاہئے، مزید یہ کہ: "مجھے اس اعتبار سے تو بہرحال خوشی ہوئی ہے کہ ایک ذمہ داری سر سے اتر گئی اور ایک بوجھ سے کندھا ہلکا ہو گیا لیکن اس اعتبار سے دکھ ہوا ہے کہ اگر ان چھوٹے چھوٹے معاملات میں بھی دستور کی روح اور معروف طریقِ کار کی پیروی نہ کی جائے تو پھر آخر کہاں کی جائے گی" (تحریر ۲۰ نومبر ۱۹۵۶ء) ------ لیکن وہاں جب مولانا عبد الجبار غازی، مولانا عبد الغفار حسن، حکیم عبد الرحیم اشرف، اور شیخ سلطان احمد ایسے اہم حضرات تک کے معاملے میں نہ دستور کی پرواہ تھی نہ عرفِ عام کی پیروی تو ------ "تا بہ دیگراں چہ رسد؟" ------ کے مصداق میں کس کھیت کی مُولی تھا!!

اس نے انہیں پہلے ہی ۔ "نہ تڑپنے کی اجازت ہے نہ فریاد کی ہے۔ گھٹ کے مر جاؤں یہ مرضی مرے صیاد کی ہے!" کا مصداق کامل بنادیا ہے' لیکن غالباً مولانا مودودی اس پر بھی مطمئن نہیں ہیں بلکہ عملاً اپنے اُسی فیصلے پر کاربند ہیں جس کا ذکر انہوں نے ماچھی گوٹھ کے لئے روانہ ہوتے وقت لاہور ریلوے اسٹیشن پر چودھری غلام محمد مرحوم سے کیا تھا--- یعنی: "میں ان لوگوں سے تنگ آچکا ہوں اور اب مزید اُن کے ساتھ نہیں چل سکتا' اب اس کے سوا اور کوئی چارۂ کار نہیں ہے کہ انہیں ذلیل کر کے جماعت سے نکال دیا جائے!"۔ اس پر ذہن اور قلب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا کہ قبل اس کے کہ نوبت وہاں تک پہنچے کیوں نہ خود ہی پیش قدمی کر کے مولانا کی اس تشویش کو فوری طور پر رفع کر دیا جائے------ چنانچہ میں نے قلم اٹھایا اور ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۷۶ھ کو بحالتِ صوم و اعتکاف' بصد حسرت و یاس' اور نہایت بوجھل دل کے ساتھ جماعت کی رکنیت سے استعفاء تحریر کر دیا۔ گمان غالب یہ ہے کہ یہ ماہ اپریل کی ۲۶ تاریخ تھی۔ (جو اتفاقاً میری تاریخ پیدائش بھی ہے!) مقامی جماعت کے احباب' بالخصوص مولوی شمس الدین صاحب نے تو میرے استعفے کو آگے بھیجنے (یعنی Forward کرنے) میں تقریباً دو ہفتے لئے۔ اور اس کے دوران میں مجھے استعفاء واپس لینے پر آمادہ کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی' جس میں بعض ہم عمروں کی منت سماجت بھی شامل تھی اور بعض بزرگوں کی محبت آمیز فہمائش بھی۔ بالآخر مایوس ہو کر مولوی شمس الدین صاحب نے مجھے ۱۰ مئی ۵۷ء کو خط لکھا:

> "نہایت افسوس کے ساتھ آج ارکانِ جماعت نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ آپ کا استعفاء منظوری کے لئے جناب امیرِ جماعت کے پاس بھیج دیا جائے------ آپ نے شفاخانہ میں روزانہ دو گھنٹے بلا معاوضہ کام کرنے کی جو پیشکش کی ہے' اسے ہم شکریئے کے ساتھ قبول کرتے ہیں۔ اُمید ہے کہ آپ باقاعدگی کے ساتھ وقت دیتے رہیں گے۔ خاکسار شمس الدین' امیر جماعت اسلامی منٹگمری"۔

اِسی طرح دفترِ حلقہ نے بھی اپنے حصّے کی کارروائی کے لئے لگ بھگ ایک ہفتہ لے

لیا' اس لئے کہ وہاں سے میرے استعفے کے ساتھ جو خط (یعنی Covering letter) مرکزی دفتر پہنچا اس پر تاریخ تحریر ۱۸ مئی درج تھی۔ (اگرچہ مجھے اب یہ قطعاً یاد نہیں ہے کہ اس دوران میں حلقے کے ذمہ دار حضرات کی جانب سے میرے ساتھ کوئی سلسلۂ جنبانی قائم کیا گیا تھا یا نہیں) ------ لیکن مرکز میں تو گویا میرے استعفے کا شدّت سے انتظار ہو رہا تھا کہ جیسے ہی امیرِ حلقہ کا خط پہنچا غالباً اُسی لمحے منظوری کا خط بھی ارسال کر دیا گیا جس پر ۱۹ مئی ۵۷ء کی تاریخ درج تھی اور عبارت حسب ذیل تھی:

"محترمی و مکرمی چودھری عبد الرحمٰن صاحب' امیر جماعت اسلامی' حلقۂ اوکاڑہ

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

بحوالہ آپ کا خط نمبر ۴۲۲ مورخہ ۱۸ مئی ۵۷ء ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا جماعت کی رکنیت سے استعفاء جناب امیر جماعت اسلامی پاکستان مولانا سیّد ابو الاعلیٰ مودودی نے منظور فرما لیا ہے' اور ان کا نام ارکانِ جماعت کی فہرست سے خارج کر دیا گیا ہے۔"

خیر اندیش: صفدر حسن صدیقی' ناظم شعبۂ تنظیم جماعت اسلامی' پاکستان

نقول بنام (۱) جناب شمس الدین صاحب' امیر جماعت اسلامی' منٹگمری شہر

(۲) ڈاکٹر اسرار احمد صاحب' معرفت دفتر جماعت اسلامی' منٹگمری شہر۔"

اور اس طرح راقم الحروف کی زندگی کا وہ دس سالہ دور اختتام کو پہنچ گیا جس کی حسین یاد ابھی تک نہاں خانۂ قلب میں محفوظ ہے[1] --- لیکن یہ واضح رہے کہ میں نے صرف جماعت اسلامی سے تنظیمی تعلق منقطع کیا تھا' تحریک اسلامی سے ہرگز نہیں --- اس کے ساتھ تو میرا ذہنی اور عملی دونوں طرح کا تعلق بحمد اللہ دن بدن مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا ------ چنانچہ پہلے کسی موقع پر اپنی اس کیفیت کے اظہار کے لئے کہ جماعت سے تنظیمی تعلق کے انقطاع کے باوجود'

---

[1] حاشیے کی عبارت اگلے صفحے پر دیکھئے

تحریک اسلامی کے ساتھ وابستگی کی شدّت میں اضافہ ہوتا چلا گیا راقم نے علامہ اقبال کے اس شعر کا حوالہ دیا تھا کہ ؎

تخم جس کا تو ہماری کشتِ جاں میں بو گئی - شرکتِ غم سے وہ الفت اور محکم ہو گئی!!

آج اس کیفیت کی تعبیر کے لئے تو ایک دوسرا شعر بھی ذہن میں آ رہا ہے۔ ------ یعنی ؎ "ہوئے ہیں وہ جس دن سے ناراض شعرّی - ترقی پہ ہے اضطرابِ محبت" ---- لیکن مناسب یہ ہے کہ اپنی اس سرگذشت کے اختتام پر فیض احمد فیضؔ کے وہ اشعار درج کر دوں جو اُس زمانے میں طویل عرصے تک میرے قلب و ذہن کی دنیا پر چھائے رہے تھے ------ اور جنہوں نے بلاشبہ مجھے اپنے عزم کے برقرار رکھنے میں بہت مدد دی تھی :؎

یہ فصل امیدوں کی ہمدم - اس بار بھی غارت جائے گی
سب محنت صبحوں شاموں کی - اب کے بھی اکارت جائے گی!

دھرتی کے کونوں کھدروں میں - پھر اپنے لہو کی کھاد بھرو!

حاشیۂ صفحۂ سابقہ

؎ صحیح تر الفاظ میں میرا جماعتِ اسلامی سے تعلق ساڑھے نو برس رہا۔ اس لئے کہ میں نے اوائل نومبر ۴۷ء میں واردِ لاہور ہوتے ہی جماعت اسلامی لاہور کے کرشن نگر کے حلقۂ ہمدرداں سے تنظیمی تعلق استوار کر لیا تھا۔ اور چونکہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایف ایس سی کی تعلیم کے دوران میں کرشن نگر ہی میں اپنے ایک عزیز کے مکان پر مقیم رہا' لہٰذا میری تنظیمی وابستگی بھی اسی حلقۂ جماعت کے ساتھ رہی۔ میڈیکل کالج کے پانچ سال میں نے اسلامی جمعیت طلبہ کے ساتھ گزارے ----- اور جس دن فائنل ایم بی بی ایس کا نتیجہ نکلا اسی دن رکنیتِ جماعت کی درخواست تحریر کر دی ---------- مولانا اصلاحی مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کے بارے میں اپنے استاذ و امام مولانا حمید الدین فراہیؒ کا ایک جملہ نقل کیا کرتے ہیں کہ: "ہمارے مناظر احسن کے سارے ہی مناظر احسن ہیں!" اسی طرح جماعت کے ساتھ میری اس ساڑھے نو سالہ وابستگی کے دوران کی ساری ہی یادیں حسین اور دلکش ہیں ------- سوائے ۵۳ـ۵۲ء کے سیشن کے درمیانی چھ ماہ جن کے دوران میرا جمعیت کی کراچی کی قیادت سے مزاجی اور نظریاتی دونوں طرح کا تصادم رہا ----------- یا یہ ۵۷ـ۵۶ء کے آخری چھ ماہ جن کے دوران کی بعض یادیں کرب ناک ہی نہیں سوہانِ روح ہیں!

پھر مٹی سینچو اشکوں سے - پھر اگلی رت کی فکر کرو!

پھر اگلی رت کی فکر کرو - جب پھر اک بار اجڑنا ہے!
اک فصل پکی تو بھر پایا - تب تک تو یہی کچھ کرنا ہے!!

مولانا اصلاحی اور دیگر اکابر کی علیحدگی

اجتماع ماچھی گوٹھ کے بعد لگ بھگ ایک سال کے عرصے کے دوران جن ارکانِ جماعت نے رکنیت سے استعفا دیا' اُن میں سے جو کُل پاکستان سطح پر معروف تھے' ان کی فہرست میں اوپر سے پہلے نمبر پر مولانا امین احسن اصلاحی تھے - اور نیچے والوں میں آخری نام اس خاکسار کا تھا! -- یہی وجہ ہے کہ جہاں' بعض دوسرے حضرات کی طرح' میرے استعفے کا تو گویا بے چینی سے 'انتظار' کیا جا رہا تھا(ع "ما سراپا انتظار 'اُو منتظر!!) - وہاں مولانا اصلاحی کو استعفے سے باز رکھنے' اور رکنیتِ جماعت برقرار رکھنے پر آمادہ کرنے کے لئے سر توڑ کوششیں ہوئیں[1]- چنانچہ ایک جانب' مصالحت کنندگان' نے ایک عرصے تک سلسلۂ جنبانی جاری رکھا' تو دوسری جانب انہیں یہ پیشکش کی گئی کہ آپ جماعت کی عام تنظیمی اور عوامی سرگرمیوں سے منقطع ہو کر خالص علمی و فکری اور تحقیقی و تصنیفی کام میں لگ جائیں' چنانچہ جماعت کے مرکزی دفتر کے قریب ایک کوٹھی کرایہ پر لی گئی' اسے نہایت شاندار انداز میں مرصّع و مفرّش (Furnish) کیا گیا اور اُن کے ظاہری اعزاز و اکرام اور خاطر مدارات (Pampering) کا خصوصی اہتمام ہوا۔ ------ اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان باتوں کا ایک حد تک خاطر

---

[1] یہی وجہ ہے کہ مستعفی ہونے میں ترتیب بالکل برعکس رہی' چنانچہ ان میں سب سے پہلا نمبر میرا تھا اور سب سے آخری مولانا اصلاحی کا!

خواہ اثر بھی مولانا کی طبیعت نے قبول کیا- چنانچہ سکھر کے جناب نجیب صدیقی صاحب کی روایت ہے کہ اجتماع ماچھی گوٹھ کے کچھ عرصہ بعد مولانا اصلاحی سکھر تشریف لے گئے اور وہاں انہوں نے اُن ارکانِ جماعت کو جو اجتماع ماچھی گوٹھ سے پہلے غیر مطمئن اور اب بالکل مایوس تھے جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہونے سے باز رکھنے کی بھرپور کوشش کی' اور ہر ممکن طریقے پر ترغیب دی کہ وہ جماعت کے اندر رہتے ہوئے اصلاح حال کی کوشش کریں- اگرچہ اُن کے اعتراضات کا اُن کے پاس کوئی معقول جواب موجود نہ تھا!

ویسے بھی مولانا اصلاحی نے اس پورے عرصے کے دوران اس موقف سے اتفاق کا کم از کم اظہار نہیں کیا تھا کہ جماعت اپنے سابقہ طریق کار سے کلی طور پر منحرف ہو چکی ہے' بلکہ اُن کا علانیہ موقف صرف یہ تھا کہ ہم 'عدم توازن' کا شکار ہو گئے ہیں'----- باقی مولانا مودودی کے ساتھ اُن کی اصل جنگ 'دستورِ جماعت اور اس کے ضمن میں جمہوریت اور شورائیت کی اہمیت کے مسئلے پر تھی! -----اور اس کے سلسلے میں جو کچھ ماچھی گوٹھ میں "خلوتیانِ راز" کی محفل میں طے پا چکا تھا اُس سے وہ بالکل بے خبر تھے[1]

ع "کب کھلا تجھ پر یہ راز' انکار سے پہلے کہ بعد؟" کے مصداق مولانا اصلاحی پر یہ راز اس وقت بم کے دھماکے کے مانند کھلا' جب ۱۹۵۷ء کے اواخر میں کوٹ شیر سنگھ (ضلع لاہور) میں مجلسِ شوریٰ (جو اب جماعت کے لئے ایک نئے دستور کی تدوین کے اختیار کی حامل 'مجلسِ دستور ساز' کی حیثیت بھی اختیار کر چکی تھی) کا اجلاس منعقد ہوا- اور اس میں مولانا مودودی نے تنظیم اور تحریک کے فرق اور تحریک اسلامی کے قائد و امیر کے حقوق و اختیارات کے ضمن میں اپنا وہ فلسفہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا جو ہفت روزہ آئین کے حوالے سے 'میثاق' دسمبر ۸۹ء میں شائع شدہ تقریر میں وارد ہوا ہے- تب مولانا اصلاحی کو محسوس ہوا کہ جمہوریت

---

[1] گویا اس کیفیت کے بالکل برعکس کہ ؎ "مصلحت نیست کہ از پردہ بروں آید راز- ورنہ در محفلِ رنداں خبرے نیست کہ نیست!"- اور یہ غالباً مولانا کی تصوّف سے دشمنی ہی کا مظہر تھا!!

اور شورائیت کا کم از کم وہ تصور جس کے وہ شدت سے قائل تھے ع "آں قدح بشکست و آں ساقی نماند" کے مانند نسیاً منسیاً ہوا چاہتا ہے' اور اب جو فضا جماعت میں پیدا ہو چکی ہے اس میں اس کے حق میں آواز اٹھانا بھی ممکن نہیں رہا- چنانچہ وہ خاموشی کے ساتھ اجلاس سے اٹھے اور لاہور واپس آ گئے- اس کے بعد بھی بعض مخلصین نے 'مصالحت' کے لئے کسی قدر تگ و دو کی' جو بری طرح ناکام ہو گئی۔ بالآخر ایک جانب ۱۳ جنوری ۱۹۵۸ء کو مولانا نے قطعی اور حتمی انداز میں جماعت کی رکنیت سے مختصر خط کے ذریعے استعفاء دے دیا- اور دوسری جانب چند دنوں بعد جب وجوہِ استعفاء کے استفسار کے لئے آنے والے اشخاص اور خطوط کا تانتا بندھ گیا تو کسی قدر تفصیلی تحریر لکھ دی جس نے بعد میں ایک 'گشتی مراسلے' کی صورت اختیار کر لی جس کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے---- اور اگرچہ ۱۳ جنوری ۵۸ء کے بعد مولانا مودودی اور مولانا اصلاحی کے مابین جن تیز و تند' اور تلخ و ناخوشگوار خطوط کا تبادلہ[1] ہوا وہ اِس داستان کا الم ناک ترین' اور عبرت ناک ترین باب ہے' تاہم اُن سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ہم اس 'نقضِ غزل' کے ضمیمے کے طور پر خود اپنے استعفے کے ساتھ مولانا اصلاحی کا بھی صرف استعفے کا خط اور مذکورہ گشتی مراسلہ شائع کر رہے ہیں- چنانچہ اس طرح 'نقض غزل' کے دو خلاصے قارئین کے سامنے آ جائیں گے یعنی پہلا جماعت کی ایک چوٹی کی شخصیت کے تجربہ و تجزیہ پر مشتمل' اور دوسرا ایک عام کارکن کے مشاہدات اور آراء پر مبنی- جو نہ ارکانِ شوریٰ میں سے تھا' نہ ارباب حل و عقد میں' لہٰذا رازہائے درونِ پردہ سے ناواقف تھا-

راقم الحروف اور مولانا اصلاحی کے استعفوں کے درمیانی نو ماہ کے دوران جو نمایاں اور معروف لوگ جماعت سے علیحدہ ہوئے اُن کا معاملہ دوسرے اعتبارات سے بھی راقم اور مولانا کے بین بین رہا- چنانچہ اُن میں سے بعض حضرات کے استعفوں کا تو شدت سے انتظار ہو رہا تھا' یہاں تک کہ بعض (جیسے مثلاً مولانا عبد الغفار حسن) کے ساتھ تو یہ معاملہ بھی پیش آیا کہ اِدھر انہوں نے استعفاء مرکز

---

[1] یہ خط و کتابت ہفت روزہ 'ندا' کے ۷ اور ۱۴ مارچ ۱۹۸۸ء کے دو شماروں میں شائع ہو چکی ہے۔

ارسال کیا' اُدھر مرکز سے اظہارِ وجوہ کا طلبی نامہ روانہ ہو گیا کہ وجوہات بیان کیجئے کہ کیوں نہ آپ کو جماعت سے خارج کر دیا جائے'------ اور دونوں کا ڈاک میں کراس ہوا' جبکہ بعض دوسرے حضرات (جیسے مثلاً سردار محمد اجمل خان لغاری مرحوم) کو جماعت میں روکے رکھنے کی شدید اور پیہم کوششیں ہوئیں[1]!

مزید برآں' اِن میں سے ہر ایک کے پاس ع "جو میں بت کدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری!" کے مصداق ایک دل خراش داستان ہے جس کو سن کر انسان دم بخود رہ جاتا ہے - یہی وجہ ہے کہ ان دنوں جن "بقیۃ السلف" حضرات سے ملاقات ہوئی (بقیۃ السیف' اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ "کشتۂ شمشیر" تو وہ تھے) انہوں نے جب اپنے زخم دکھانے شروع کئے تو راقم کو اپنی داستان ہیچ نظر آنے لگی - چنانچہ یہ عام تأثر سامنے آیا کہ "تم نے 'نقضِ غزل' کے ضمن میں بڑی لمبی چھلانگیں لگائی ہیں' جس کے نتیجے میں بہت سے تلخ تر حقائق و واقعات بیان ہونے سے رہ گئے ہیں۔" تاہم اس پر تقریباً اجماع نظر آیا کہ کسی ایک شخص کے لئے اِن تمام سرگذشتوں کا بیان کرنا ناممکن ہے' اس کی تو صرف ایک ہی صورت ممکن ہے اور وہ یہ کہ ہر شخص اپنا اپنا ماجرا خود تحریر کرے - (چنانچہ بعض حضرات نے اس کا ارادہ بھی ظاہر کیا-)

---

[1] اور یہ اس لئے کہ سردار صاحب مرحوم و مغفور سابق ریاست بہاولپور میں مولانا مودودی کی دعوت پر لبّیک کہنے والے پہلے شخص تھے' اور نہ صرف یہ کہ اُس علاقے میں جماعت کی دعوت کے فروغ کا سہرا سب سے بڑھ کر انہی کے سر ہے' بلکہ علاقے کے ایک بڑے جاگیر دار خاندان سے متعلق ہونے کے ناطے اس علاقے کے جملہ وابستگان بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی نہ کسی درجہ میں اُن کے حُسنِ سلوک کے ممنون احسان رہے تھے' ------ یادش بخیر اسی نوع کی ایک شخصیت صوبہ سرحد میں خان سردار علی خاں مرحوم کی تھی - ان کا یہ قول بھی ریکارڈ پر آجائے تو مناسب ہے جو انہوں نے مولانا اصلاحی سے مخاطب ہو کر کہا تھا: "مولانا ہمیں آپ سے کلی اتفاق ہے اور ہم آپ کی ایک ایک بات کو درست سمجھتے ہیں لیکن ہم سیّد ابو الاعلیٰ مودودی کا ساتھ اِس لئے نہیں چھوڑ سکتے کہ ہم 'خوانینِ سرحد' پر گزشتہ صدی کے بھی ایک سیّد (سیّد احمد شہیدؒ) سے بے وفائی کا الزام تاحال قائم ہے!"

اس سلسلے میں محترم شیخ سلطان احمد صاحب کا ذکر اس لئے ضروری ہے کہ آئین' کے مضمون نگار نے ان کے بارے میں تحریر کیا ہے:

"مولانا سلطان احمد صاحب (سابق قائم مقام امیر جماعت اسلامی پاکستان) کے بارے میں ایک مرتبہ میری چودھری غلام محمد مرحوم سے گفتگو ہوئی - انہوں نے بتایا کہ مولانا سلطان احمد صاحب کو جماعت کی پالیسی سے کوئی ایسا اختلاف نہ تھا جو دور نہ ہو سکتا ہو - لیکن بعض دیگر حضرات کی طرح وہ اس وقت کی صورت حال سے دل گرفتہ ہو گئے تھے اور ان کا ذہنی سکون بری طرح متاثر ہو گیا تھا[1]-"

جبکہ واقعہ یہ ہے کہ راقم نے اپنی حالیہ ملاقاتوں میں متذکرہ بالا تاثر بھی سب سے زیادہ شدید اُن ہی میں پایا - اور اس انتہائی رائے میں بھی سب سے بڑھ کر جازم اُن ہی کو پایا کہ مولانا مودودی کے جماعت کی امارت سے استعفے کے بعد سے لے کر اجتماعِ ماچھی گوٹھ کے اختتام تک کے تمام واقعات ایک سوچے سمجھے منصوبے' اور پوری مہارت کے ساتھ 'پلاٹ' کئے گئے 'ڈرامے' کے مظہر ہیں!

---

[1] گویا وہی نعیم صدیقی صاحب کا ماچھی گوٹھ کی تقریر والا حربہ' جو انہوں نے مولانا اصلاحی کے خلاف استعمال کیا تھا!

نقضِ غزل کا حاصل

مولانا مودودی مرحوم کے اس "نقضِ غزل"[1] کے نتیجے میں جماعتِ اسلامی کے جن ارکان نے جماعت سے علیٰحدگی اختیار کی اُن کی کل تعداد تو غالباً ایک سو سے زائد نہ تھی، لیکن مجموعی تعداد سے اہم تر بات یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں جماعتِ اسلامی کی قیادت کی صفِ دوم تقریباً بالکل "صاف" ہو گئی ----- اس پہلو سے جو شدید نقصان جماعت اور تحریک کو پہنچا اس کا کسی قدر اندازہ حسبِ ذیل تجزیے سے ہو سکتا ہے:

(۱) وہ چاروں حضرات جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہوگئے جن پر گزشتہ دس سال کے عرصے میں وقتاً فوقتاً مولانا مودودی کی نظر بندی کے دوران امارتِ جماعت کی ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالا گیا تھا--- اور اس طرح گویا جماعت میں ان کی حیثیت اور مرتبہ و مقام مسلّم تھا، یعنی مولانا عبد الجبار غازی، مولانا امین احسن اصلاحی، مولانا عبد الغفار حسن، اور شیخ سلطان احمد ---- واضح رہے کہ ان ہی میں سے تین حضرات جائزہ کمیٹی کے رکن بھی تھے۔

(۲) جماعتِ اسلامی کی مرکزی مجلس شوریٰ کی اکثریت یا باضابطہ علیٰحدہ ہو گئی یا مفلوج ہو کر رہ گئی، اس لئے کہ اُن بیس ارکان میں سے جو عرصۂ دراز سے تقریباً مستقل طور پر شوریٰ میں شامل چلے آ رہے تھے اور اس طرح گویا جماعت میں انہیں "اربابِ حلّ و عقد" کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی، آٹھ تو جماعت سے باضابطہ علیٰحدہ ہوگئے ----- یعنی متذکرہ بالا چار حضرات کے علاوہ حکیم عبد الرحیم اشرف (کنوینر جائزہ کمیٹی) - چودھری عبد الحمید (فیصل آباد) - جناب سعید ملک (لاہور) اور سردار محمد اجمل خان لغاری (رحیم آباد، ریاست بہاولپور) ---- اور بقیہ بارہ میں سے بھی کم از کم نصف ایسے تھے جنہوں نے رکنیت جماعت سے

---

[1] بحوالہ سورۃ النحل آیت ۹۲

مستعفی ہونے کا انتہائی قدم تو فوری طور پر نہیں اٹھایا لیکن ان کے خیالات و نظریات وہی تھے جو مستعفی ہونے والے حضرات کے تھے' لہٰذا وہ جماعت میں عضو معطّل ہو کر رہ گئے ---- چنانچہ اُن میں سے بعض کو تو یہ صدمہ گھُن کی طرح کھا گیا- اور وہ جلد ہی انتقال کر گئے جیسے محمد باقر خاں (ملتان) اور دوسرے کچھ عرصہ کے بعد مختلف وقفوں کے ساتھ جماعت کو چھوڑ گئے جیسے مولانا عبد الحق حامی (خان پور) ڈاکٹر محمد نذیر مسلم (رحیم یار خاں) اور سید وصی مظہر ندوی (حیدر آباد' سندھ) وغیرہم- اور بعض جماعت کے ساتھ چلتے تو زندگی کے آخری لمحے تک رہے' لیکن اُن میں وہ پچھلا سا جوش و خروش باقی نہ رہا جیسے خان سردار علی خاں (سرحد)-

(۳) مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا عبد الغفار حسن کے علاوہ جماعت کے ارکان میں سے صرف ایک ہی عالم دین اور تھے جو تصنیف و تالیف کی بنا پر معروف تھے ----- یعنی مولانا افتخار احمد بلخی (مرحوم)- وہ بھی جماعت سے علیٰحدہ ہو گئے-

(۴) اسی طرح روزنامہ صحافت کے میدان میں بھی صرف دو ہی ارکان جماعت نمایاں ہوئے تھے' یعنی جناب سعید ملک' اور ارشاد احمد حقّانی' یہ دونوں بھی جماعت کو چھوڑ گئے-

جماعتِ اسلامی کی قیادت کی دوسری صف کی اِس پوری ٹیم کے دفعتاً میدان سے ہٹ جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ جماعت میں فوری طور پر شدید قحط الرّجال پیدا ہو گیا[1] جس کے اثرات تاحال محسوس ہو رہے ہیں' کہ ؎ "نہ اٹھا پھر کوئی رومی

---

[1] اس ضمن میں بھی یہ لطیفہ یا کثیفہ ریکارڈ ہو جائے تو اچھا ہے کہ سانحۂ ماچھی گوٹھ کے کچھ عرصے بعد مولانا مودودی مرحوم دورے پر کراچی تشریف لے گئے تو وہاں اجتماعِ ارکان میں جماعت سے ایسے اہم لوگوں کی علیٰحدگی پر اکثر ارکانِ جماعت نے شدید تشویش کا اظہار کیا۔ اِس پر مولانا مودودی نے اعداد و شمار کے حوالے سے جواب دیا کہ جتنے لوگ جماعت سے علیٰحدہ ہوئے ہیں انہی دنوں میں ان سے زائد جماعت میں شامل ہو گئے ہیں' تو ایک خاتون نے مولانا کی خدمت میں ایک رقعہ ارسال کیا جس پر درج تھا: "مولانا آپ نے ہیرے پھینک کر جھولی میں کنکریاں بھر لی ہیں!" ------ اور یہ خاتون شیخ سلطان احمد صاحب کی اہلیہ محترمہ تھیں! جو شیخ صاحب موصوف کے مستعفی ہو جانے کے بعد بھی کافی عرصہ تک جماعت کی رکن رہیں!

عجم کے لالہ زاروں سے - وہی آب و گلِ ایراں' وہی تبریز ہے ساقی" کے مصداق جماعت میں پھر نہ کوئی صاحبِ فکر اور صاحبِ تصنیف عالم ابھر کر سامنے آسکا' نہ کوئی نیا ادیب یا صحافی منظر عام پر آسکا' (اس میدان میں اگر کچھ نوجوان سامنے آئے بھی' تو انہوں نے اپنا "جداگانہ تشخص" برقرار رکھنے کو ترجیح دی' اور جماعت میں شمولیت کو اپنے مقام سے فروتر گردانا!) ------ نہ ہی کوئی صاحبِ فکر داعی سامنے آسکا جو اپنے زورِ خطابت سے "رُوح کو تڑپادے اور قلم کو گرمادے!"-

اور اِس سے بھی بڑھ کر رُوح فرسا اور حسرت ناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ جماعت کے دورِ اوّل کے ان "باقیات الصالحات" کے جماعت سے علیٰحدہ ہونے کے بعد جماعت کو تیزی سے اپنے سابق موقف سے کامل انحراف' سابقہ پالیسیوں میں بنیادی تبدیلیوں' اور عوام النّاس کے حافظے کے کمزور ہونے کے مشہور اصول پر اعتماد کرتے ہوئے پے در پے قلابازیاں کھانے اور ع "چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اِک تیز رو کے ساتھ!" کے مصداق آئے دن بلا جھجک اپنی وفاداریوں اور سیاسی "قبلوں" کے تبدیل کرنے سے روکنے والی کوئی مؤثر قوت موجود نہ رہی ------ یہی سبب ہے اس کا کہ، "یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ" ——— کے مصداق جماعت کی زمین بھی تبدیل ہو گئی اور آسمان بھی بدل گیا- تا آنکہ آج صورت یہ ہے ع "کہ پہچانی ہوئی صورت بھی پہچانی نہیں جاتی!"

(۵) متذکرہ بالا حضرات تو وہ ہیں جو اُس وقت کُل پاکستان سطح پر معروف تھے (اور اُن کی یہ فہرست بھی ظاہر ہے کہ کسی طرح مکمّل نہیں ہو سکتی- اِس لئے کہ اِس کی بنیاد صرف حافظہ اور یادداشت پر ہے) ان کے علاوہ ایسے حضرات کی فہرست بہت طویل ہے جو اپنے اپنے علاقوں اور حلقوں میں مختلف اعتبارات سے معروف اور ممتاز تھے' ------ جیسے مثلاً کراچی میں جناب ظفر الاحسن' اور شیخ جمیل الرّحمٰن جماعت کے ساتھ طویل تعلّق کے علاوہ اصابتِ رائے کے اعتبار سے معروف تھے' تو ڈاکٹر مسعود الدّین حسن عثمانی مرحوم سرگرم اور فعّال ترین کارکنوں کی فہرست میں بلند ترین مقام پر فائز ہونے کے علاوہ انفاق مال اور خدمتِ خلق کے اعتبار سے بہت مشہور تھے ------ اِسی طرح فیصل آباد کے میاں فضل احمد

مرحوم جماعت سے طویل تعلق اور اصابت رائے کے اعتبار سے ممتاز تھے تو چودھری قدرت علی حلقہ کے قیم ہونے کی بنا پر معروف تھے' اِسی طرح لاہور میں چودھری قدرت علی کے چھوٹے بھائی جناب مصطفےٰ صادق بھی چونکہ طویل عرصہ تک حلقہ لاہور کے قیم رہے تھے لہٰذا تنظیمی و انتظامی صلاحیتوں کی بنیاد پر تو نمایاں تھے ہی' اب صحافت کے میدان میں بھی قدم رکھ چکے تھے ------ اور اِن کے علاوہ مولوی محی الدّین سلفی مرحوم' مولوی برکت علی' خلیفہ نذیر احمد' اور میاں محمد اسلم نہایت فعّال کارکنوں میں شامل تھے - اِسی طرح ساہیوال سے جو ارکان جماعت سے علیحدہ ہوئے ان میں میرے بڑے بھائی اظہار احمد اِس اعتبار سے نمایاں تھے کہ ان کا تحریک سے تعلق قبل از تقسیم ہند سے تھا اور وہ اُس زمانے میں اپنی گزیٹڈ افسری کی قربانی دے چکے تھے جب یہ بہت بڑا عہدہ شمار ہوتا تھا' تو سیّد شیر محمد شاہ' نور محمد قریشی اور حافظ خادم احمد وغیرہم نہایت سنجیدہ لیکن فعّال کارکنوں میں شامل تھے!

—— وَقِس علیٰ ذالک!!

اِس 'نقضِ غزل' کا شکار ہونے والے جتنے ارکانِ جماعت سے مَیں ذاتی طور پر واقف ہوں اُن میں نوجوان اور وجیہہ' ذہین اور فطین' فعّال اور سرگرم' محنتی اور ایثار پیشہ' اور سنجیدہ و متین لیکن خوش گفتار و خوش مزاج کارکنوں کا سب سے حسین گلدستہ سکھر شہر سے تعلق رکھتا تھا - اُن میں محترم نجیب صدّیقی صاحب کے علاوہ جن کے نام یاد آ سکے وہ ہیں: میاں محمد لطیف مرحوم' شیخ سر تاج الدّین سولیجہ مرحوم' شیخ محمد عمر' خورشید عاقل صدّیقی' جناب عزیز حمیدی' اور جناب عبد السّمیع ------ اِن سب حضرات کے چہرے اب بھی میری نگاہوں کے سامنے ہیں اور یہ پورا گلدستہ میرے لئے تاحال - " پھر رہا ہے میری آنکھوں میں وہی جانِ بہار جس کا ہم رنگ کوئی پُھول گلستاں میں نہیں!" کی حیثیت رکھتا ہے -

اور یہ تو صرف اُن ارکانِ جماعت کے نام ہیں جن سے مَیں متعارف تھا' اور اُن میں سے بھی صرف وہ جو فی الفور یاد آ سکے --- (ویسے جیسے جیسے یادداشت کا محافظ خانہ کھلا ہے کچھ اور نام بھی یاد آ رہے ہیں' جیسے کراچی کے جناب سالم جان اور احتشام الدّین' فیصل آباد کے چودھری غلام حسین رندھاوا اور حافظ علم الدّین'

منڈی ڈھاباں سنگھ کے مولانا محمد حنیف امرتسری، شیخوپورہ کے ڈاکٹر نذر محمد، اور گگو منڈی کے مولوی عبدالرحیم وغیرہم - لیکن ظاہر ہے کہ اِس فہرست کو لمبا کرنے سے کچھ حاصل نہیں، اصل قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک خلوص و اخلاص کا مجسمہ اور وفا کا پتلا تھا)------، جماعت سے علیحدگی کے عمل کے دوران یہ سب نہایت شدید صدمہ سے دوچار رہے، اِس کے بعد بھی ان سب پر ایک عرصے تک سکتہ سا طاری رہا-- اور بالآخر سب کے سب حسرت و یاس کی تصویر بن کر رہ گئے -

اِن حوادث کے باعث رنج و غم اور صدمہ کی شدّت کے اندازے کے لئے چند مثالیں کفایت کریں گی (۱) مولانا عبدالجبّار غازیؒ نے نومبر دسمبر ۵۶ء کی جائزہ کمیٹی کی رپورٹ والے اجلاسِ شوریٰ کے دوران رو رو کر مولانا مودودی کو جماعت کے ابتدائی ایام کی کیفیات یاد دلائیں اور گڑگڑا کر کہا کہ "مولانا! خدا کے لئے باہمی اعتماد کی وہی فضا دوبارہ پیدا کرنے کی کوشش کیجئے!" - لیکن جب انہیں مولانا کی جانب سے سرد مہری کا احساس ہوا تو اس صدمہ کے باعث اُن پر دل کا دورہ پڑا اور وہ صاحبِ فراش ہوگئے---- اور اِس کے چند ہی روز بعد وہ خاموشی کے ساتھ ماچھی گوٹھ کے اجتماع سے بہت پہلے ہی رکنیت سے مستعفی ہو کر راولپنڈی چلے گئے (۲) گگو منڈی کے مولوی عبدالرحیم ایک نوجوان اہلِ حدیث عالمِ دین تھے - اور ان کی بہت طویل اور گھنی داڑھی تھی - ایک بار وہ جماعتِ اسلامی ساہیوال کے شفاخانے میں مجھ سے ملاقات کے لئے آئے تو اُس وقت کے حالات پر اِس طرح دھاڑیں مار مار کر روئے کہ چپ کرانا محال ہو گیا---- اور سب سے بڑھ کر یہ کہ (۳) میرے اور مولانا عبدالغفار حسن کے ایک مشترک عزیز عتیق احمد صاحب ایم اے، ایل ایل بی علیگ (مرحوم) ماچھی گوٹھ جاتے ہوئے اختلاف کے تذکرے اور چرچے سے اتنے شدید متاثر ہوئے کہ فوری طور پر دماغی توازن کھو بیٹھے، چنانچہ انہیں راستے ہی میں رحیم یار خاں کے اسٹیشن پر اتار لینا پڑا اور اُن کی تیمارداری کی مصروفیت کے باعث مولانا عبدالغفار حسن بھی اجتماعِ ماچھی گوٹھ میں صرف جزوی طور پر شریک ہو سکے ! یہ چند مثالیں "نمونہ

مشتے از خروارے" کے مصداق ہیں... ع " قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا!"-
اور یہ تو 'نقضِ غزل' کے نقصانات کا صرف ایک رخ ہے!

اِس بھیانک تصویر کا دوسرا اور افسوس ناک تر رُخ یہ ہے کہ صرف اُن چند علماء کرام کو چھوڑ کر 'جو جماعت میں شامل ہونے سے پہلے بھی مذہبی زندگی ہی بسر کرتے تھے' اور جو جماعت سے علیٰحدگی کے بعد بھی خدمتِ دین کے ضمن میں مختلف النوع مشاغل جیسے تصنیف و تالیف' تعلیم و تدریس' تبلیغ و اصلاح' یا خطابت و امامت میں مصروف ہوگئے ------ جماعت سے مستعفی ہونے والے لوگوں کی عظیم اکثریت رفتہ رفتہ ماحول میں جذب ہوتی چلی گئی- ان میں سے بعض تو اس حد تک بھی پہنچ گئے کہ نماز روزے سے بھی گئے اور داڑھیاں بھی غائب ہو گئیں' اکثر و بیشتر نے روایتی طور پر دین کے شعائر کی تھوڑی بہت پابندی تو جاری رکھی لیکن اپنی توانائیوں اور صلاحیتوں کو بگٹٹ حصولِ دنیا کے رُخ پر ڈال دیا! اور اِس کے ضمن میں مجبُوری کے عُذر کے تحت زمانے کے جملہ مروّجہ طور طریقے اختیار کرلیے!! اور اِس طرح گویا اُن کی اخلاقی اور رُوحانی موت واقع ہو گئی---- راقم کو جب کبھی ایسے لوگوں کا خیال آتا ہے تو کبھی تو یہ مصرعہ ذہن میں گونجنے لگتا ہے کہ ع "مَیں کِس کے ہاتھ پہ اپنا لہو تلاش کروں؟"------اور کبھی یہ شعر ذہن میں اٹک کر رہ جاتا ہے ۔

ممکن ہو گر تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تُو نے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے ؟

بعض حضرات ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو حصولِ دولت کی دوڑ' اور معیارِ زندگی کو بلند سے بلند تر کرنے کے جنون سے تو بچالیا لیکن خواہ اِس سبب سے کہ عمر کی ایک خاص حد سے گزر جانے کے باعث کسی نئے تجربے یا از سرِ نو عزمِ سفر کی ہمت نہ رہی' خواہ اِس وجہ سے کہ کوئی نیا قافلہ تشکیل نہ پاسکا' یا ع "پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو مَیں" کے مصداق کسی نئے "راہبر" پر دل نہ ٹھکا' بہر حال جب اقامتِ دین کے رُخ پر کوئی عملی پیش قدمی نہ ہو سکی تو اُن کی صلاحیتیں ٹھٹھر کر رہ گئیں اور وہ ع "میں ہوں اپنی شکست کی آواز!" کے مصداق کامل

—— اور ؎

تری رہبری کا یہ فیض ہے ' قدم اہلِ شوق کے رک گئے!
نہ کوئی جوازِ سفر ملا ' نہ کوئی دلیلِ قیام ہے!!
کی مجسّم تصویر بن کر رہ گئے!

اور اِس داستان کا الم ناک ترین باب یہ ہے کہ بعض اکابر علماء جو جماعت میں تھے تو شعلۂ جوّالہ اور مجسّم حرکت و عمل تھے رفتہ رفتہ ؎ "آگ تھے ابتدائے عشق میں ہم - ہو گئے خاک انتہا یہ ہے!!" کی تصویر بن گئے - اور جیسے جیسے وقت گزرا اُن کے دینی فکر اور مذہبی تصوّرات میں سے تحریکی عنصر ختم ہوتا چلا گیا تا آنکہ آج حال یہ ہے کہ جن کے نزدیک کبھی دعوتِ دین اور اقامتِ دین کی جدوجہد فرضِ عین کا درجہ رکھتی تھی آج مختلف حیلوں بہانوں سے اُس کا استخفاف کر کے صرف علمی و تعلیمی کاموں کو کافی و شافی قرار دے رہے ہیں' اور جن کے نزدیک کبھی التزامِ جماعت لازم اور لابدّ منہ ہوا کرتا تھا آج جماعت سازی کو "فتنہ" قرار دے رہے ہیں اور اِس طرح ع "بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا" اور ع "کہ ہم نے انقلابِ چرخِ گرداں یوں بھی دیکھے ہیں" سے بھی بڑھ کر اِس شعر کے مصداق کامل بن گئے ہیں کہ ؎

خود بدلتے نہیں ' قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق!

الغرض' اکابر و اصاغر اور عالموں اور عامیوں سمیت جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگوں کی اکثریت دین کے کم از کم تحریکی تصوّر سے' نظری نہیں تو عملی طور پر دست بردار ہو گئی - اور اب ان میں سے بیشتر کا حال اِس شعر کے مطابق ہے کہ ؎ "بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے - مسلماں نہیں' راکھ کا ڈھیر ہے" ------ اور صرف معدودے چند لوگوں کے بارے میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ع "ایک بُلبل ہے کہ ہے محوِ ترنّم اب تک!" --- یا کم از کم ع "آگ بجھی ہوئی نہ جان' آگ دبی ہوئی سمجھ!" کے مصداق ہیں!-

گویا بحیثیت مجموعی جماعت سے علیحدہ ہونے والے لوگوں پر یہ شعر صد فی صد راست آتا ہے کہ ؎

سب کہاں ؟ کچھ لالہ و گُل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صُورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں!

اور اِس طرحُ نقضِ غزل' کے اس حادثۂ فاجعہ نے دو دھاری تلوار کا کام کیا کہ ایک جانب دعوتِ دین اور تحریک اسلامی کو شدید نقصان پہنچایا تو دوسری طرف ایک معتد بہ تعداد میں مخلص اور متحرّک خادمانِ دین کو کم از کم تحریکی اعتبار سے موت کے گھاٹ اتار دیا ع "ڈھونڈ اب اُن کو چراغِ رُخِ زیبا لے کر"۔

قارئینِ کرام!

- آپ کا زرِ تعاون ختم ہونے کی تاریخ لفافے پر چسپاں نام و پتہ کے لیبل پر درج ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مذکورہ تاریخ اگر گزر چکی ہو تو ہمیں جلد از جلد مطلع فرمائیں کہ آپ کے نام پرچہ بدستور جاری رکھا جائے! اِس مقصد کے لیے الگ سے یاد دہانی کے خطوط ارسال نہیں کیے جا رہے۔
- بیرونِ ملک قیام پذیر حضرات سے گذارش ہے کہ جہاں ممکن ہو اپنے پرچے الگ الگ ناموں سے منگوانے کے بجائے کسی ایک نام سے اکٹھے منگوا کر باہم تقسیم کا انتظام فرمائیں۔
- سالانہ اجتماع کے موقعہ پر کتب/کیسٹس خریدنے کے خواہشمند حضرات اگر پیشگی بذریعہ ڈاک اپنی مطلوبہ کتب/کیسٹس کی فہرست ہمیں ارسال کر سکیں تو ہمارے لیے سہولت کا باعث ہوگا۔

شکریہ!

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَاۤ اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا

اے ہمارے رب، اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں تو (ان گناہوں پر) ہماری گرفت نہ فرما۔

رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَیۡنَاۤ اِصۡرًا کَمَا حَمَلۡتَهٗ

اور اے ہمارے رب، ہم پر ویسا بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے اُن لوگوں پر ڈالا

عَلَى الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا

جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں۔

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

اور اے ہمارے رب، ایسا بوجھ ہم سے نہ اٹھوا جس کے اُٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے۔

وَاعۡفُ عَنَّا وَاغۡفِرۡ لَنَا وَارۡحَمۡنَا

اور ہماری خطاؤں سے درگزر فرما، اور ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔

اَنۡتَ مَوۡلٰٮنَا فَانۡصُرۡنَا عَلَى الۡقَوۡمِ الۡكٰفِرِیۡنَ ۝

تو ہی ہمارا کارساز ہے۔ پس کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما۔

ہمیں توبہ کی توفیق عطا کرے

ہماری خطاؤں کو اپنی رحمتوں سے ڈھانپ لے

الداعی الی الخیر: میاں عبدالواحد
بھگوان سٹریٹ
پرانی انارکلی لاہور

پیلو کی بازیافت
مِسواک سے
ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تک
پیلو کے مؤثر اور مجرب اجزا پر مشتمل ایک مکمل طبی ٹوتھ پیسٹ پیش کر کے ہمدرد نے حفظِ دنداں کی دنیا میں بھی اوّلیت حاصل کر لی.
پیلو صدیوں سے دانتوں کی صفائی اور مسوڑھوں کی مضبوطی کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے. ہمدرد کی تحقیقِ جدید نے پیلو کے ان افادی اجزاء اور دوسری مجرب جڑی بوٹیوں سے ایک جامع فارمولے کے مطابق ہمدرد پیلو ٹوتھ پیسٹ تیار کیا جو پوری طرح دانتوں اور مسوڑھوں کی حفاظت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔
ہمدرد
پیلو ٹوتھ پیسٹ
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
پیلو کے اوصاف مسوڑھے مضبوط، دانت صاف
پاکستان سے محبت کرو۔ پاکستان کی تعمیر کرو
Adans-HTP-3/85

بقیہ: 'تذکرہ وتبصرہ'

یہ صورتِ حال ماچھی گوٹھ کے اجتماعِ ارکان میں اُس وقت اپنے نقطۂ عروج (Climax) کو پہنچ گئی تھی جب مولانا مودودی نے بھرے اجتماع میں اپنی قراردادمیں مولانا اصلاحی کے تجویز کردہ اضافے کے 'نہلے' پر اپنے اضافۂ مزید کا 'دہلا' دے مارا تھا---اور گویا مولانا اصلاحی کو برسرِ عام دعوتِ مبارزت دیدی تھی' اس پر ہم اپنی حالیہ تحریر میں جو اسی شمارے میں شائع ہو رہی ہے اپنا یہ تأثر بیان کر چکے ہیں کہ اگر اس کی 'صریح بزدلی' سے کم تر کوئی توجیہہ ممکن ہے تو صرف یہ کہ اِس غیر متوقع اور اچانک حملے سے مولانا اصلاحی بھونچکا ہو کر رہ گئے ہوں' اور اُن کی قوتِ فیصلہ عارضی طور پر مفلوج ہو گئی ہو!

چنانچہ ع "ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات!" کے مصداق مولانا اصلاحی کو اُس وقت کے تذبذب یا کم ہمتی اور بزدلی کی بھرپور سزا بھی جلد ہی مل گئی۔ اس لئے کہ ماچھی گوٹھ کی فتح عظیم کے بعد مولانا مودودی کی خود اعتمادی میں بے پناہ اضافہ ہو گیا- چنانچہ کوٹ شیر سنگھ کے اجتماعِ شوریٰ میں انہوں نے کمال اعتماد کے ساتھ اپنا پورا فلسفۂ تنظیم وجماعت اور تصوّرِ قیادت وامارت کھول کر بیان کر دیا اور اس طرح گویا مولانا اصلاحی کو دوبارہ ایک کھلی دعوتِ مبارزت دیدی- جس کے جواب میں مولانا کو راہِ فرار اختیار کرتے ہی بنی- یہی وجہ ہے کہ جنوری ۵۸ء میں جماعت کی رکنیت سے مستعفی ہو جانے کے بعد جو خط و کتابت مولانا اصلاحی اور مولانا مودودی کے مابین ہوئی اس میں مولانا مودودی کا پلڑا بہت بھاری نظر آتا ہے اور وہ مولانا اصلاحی کو بار بار دلیل اور منطق کے میدان میں مقابلے کی دعوت دیتے دکھائی دیتے ہیں' جبکہ مولانا اصلاحی گریز اور فرار کی راہ اختیار کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں- اس لئے کہ ماچھی گوٹھ کے بعد سے جماعت کی زمین اور آسمان سب بدل گئے تھے اور نئے حالات میں مولانا اصلاحی کے لئے مولانا مودودی کے سامنے آنا قطعاً ناممکن تھا!

------اس کیفیت کا تقابل اگر اس وقت کی صورتِ حال سے کیا جائے جب مولانا اصلاحی نے مولانا مودودی کے جائزہ کمیٹی کے خلاف الزام نامے کا جواب تحریر کیا تھا تو

ع "بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا!" کے مصداق زمین اور آسمان کا فرق نظر آتا ہے! **فاعتبروا یااولی الابصار!**

ہمیں مولانا اصلاحی سے ایک شکایت اور بھی ہے' اور وہ یہ کہ انہوں نے آج تک اقامتِ دین کے لئے قائم ہونے والی جماعت کے تنظیمی ڈھانچے اور اس میں جمہوریت اور شورائیت کے تقاضوں کے ضمن میں اپنے تصوّرات کو کبھی تفصیل کے ساتھ بیان نہیں کیا- اس سلسلے میں انہوں نے مجلس شوریٰ میں تو یقیناً اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا ہو گا- اور اس کے حق میں دلائل بھی دیئے ہوں گے (بلکہ مولانا کے ایک خط سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں کسی موقع پر دوسرے اصحابِ علم و فضل سے بھی رجوع کیا گیا تھا) تب ہی وہ پیچ در پیچ فارمولا طے پایا ہو گا جس کا ذکر ہو چکا ہے ------ لیکن جماعت کے عام ارکان کے سامنے اُن کے نقطۂ نظر کی وضاحت کبھی نہ آسکی- حالانکہ اس فارمولے کے دستورِ جماعت میں ثبت ہو جانے کے بعد اس کے حق میں کسی وضاحتی تحریر کی اشاعت ہرگز قابلِ اعتراض نہ ہوتی------ پھر اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جماعت میں شامل ہوتے ہوئے اس بحث کو پبلک میں چھیڑنا ادنیٰ درجہ ہی میں سہی' بہر حال نامناسب تھا' تب بھی اس کا کیا جواب ہے کہ جماعت سے علیٰحدگی کے بعد کے بتیس[۳۲] سالوں کے دوران بھی مولانا نے اس موضوع پر ایک حرف تک سپردِ قلم نہیں کیا- کہ آئندہ کام کرنے والوں ہی کے لئے رہنمائی کا سامان فراہم ہو جاتا------ اس کی بھی کم از کم ہمارے نزدیک دو کے سوا کوئی تیسری توجیہہ ممکن نہیں ہے' یعنی یا تو اُن کے نزدیک فریضۂ اقامتِ دین کی سرے سے کوئی اہمیت ہی نہیں رہی'--- یا انہیں اس کی ادائیگی کے لئے قائم ہونے والی جماعت کے ضمن میں اپنے اُن نظریات اور تصوّرات پر اعتماد نہیں رہا جن کی بنیاد پر انہوں نے سالہا سال تک مولانا مودودی کے ساتھ وہ کشتی جاری رکھی جسے خود انہوں نے " گربہ کشتن" کی کوشش سے تعبیر کیا------ ان میں سے مؤخر الذکر توجیہہ کے خلاف تو ہماری اپنی گواہی موجود ہے کہ کم از کم ۱۹۷۲ء تک تو مولانا اپنے جمہوری اور شورائی تصوّرات پر اس حد تک عازم اور جازم تھے کہ جب اُس سال مرکزی انجمن

خدّام القرآن لاہور قائم ہوئی اور اس میں اُس کے صدر مؤسس کو ویٹو کا حق تفویض کیا گیا تو مولانا نے احتجاج کے طور پر 'میثاق' کی پیشانی پر سے "زیر سرپرستی مولانا امین احسن اصلاحی" کے الفاظ ہٹوا دیئے۔ اور یہ الفاظ بھی فرمائے کہ: "اسی مسئلے پر تو میں نے مولانا مودودی سے جنگ کی تھی"۔

بنابریں صرف مقدّم الذکر توجیہہ باقی رہ جاتی ہے لیکن اسے تسلیم کرنے سے بھی ذہن اس لئے انکاری ہے کہ صرف اقامتِ دین کی اجتماعی جدّوجہد ہی کے لئے تو مولانا اصلاحی نے سرائے میر 'اعظم گڑھ سے دار الاسلام' پٹھان کوٹ ہجرت کی تھی جبکہ علمی اور تعلیمی سرگرمیوں کے ضمن میں تو وہاں مدرسۃ الاصلاح اور دائرۂ حمیدیہ ایسے ادارے بھی موجود تھے 'اور اُن کا اپنا ماہنامہ 'الاصلاح' بھی جاری تھا۔ مزید برآں مولانا مودودی کی اختیار کردہ اصطلاح "قیامِ حکومتِ الٰہیہ" کی جگہ "اقامتِ دین" کی اصطلاح کو تو انہوں نے ہی رواج دیا تھا'------ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اُن کی معرکۃ الآراء کتاب "دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار" آج تک شائع ہو رہی ہے جس کے دوسرے اور اہم ترین باب "تبلیغ کس لئے؟" کے آخر میں اُس کی پوری بحث کے خلاصے اور لبِّ لباب کے طور پر یہ زوردار الفاظ تا حال موجود ہیں:

"اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے:

(ا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام دنیا میں قیامت تک کے لئے تبلیغِ دین کی جو ذمہ داری ڈالی گئی تھی اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنمائی فرما کر اللہ تعالےٰ کی طرف سے اس کی تکمیل کا کام اپنی امت کے سپرد فرمایا تاکہ یہ امت ہر ملک 'ہر قوم اور ہر زبان میں قیامت تک اس دین کی تبلیغ کرتی رہے۔

(ب) اس تبلیغ کے لئے اللہ تعالےٰ کی طرف سے یہ شرط مقرر ہے کہ یہ دل سے کی جائے' زبان سے کی جائے' عمل سے کی جائے' بلا تقسیم و تفریق' پورے دین کی کی جائے' بے خوف لومۃ لائم اور بے رو رعایت کی جائے' اور اگر ضرورت داعی ہو تو جان دے کر کی جائے۔

(ج) اس جماعتی فرض کی ادائیگی کا باضابطہ ادارہ خلافت کا ادارہ تھا اور

جب تک یہ ادارہ موجود تھا ہر مسلمان اس فرض کی ذمہ داریوں سے سبکدوش تھا۔

(د) اس ادارہ کے منتشر ہو جانے کے بعد اس فرض کی ذمہ داری امت کے تمام افراد پر ان کے درجہ اور استعداد کے لحاظ سے تقسیم ہو گئی۔

(ھ) اب اس فرض کی مسئولیت اور ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے دو ہی راہیں مسلمانوں کے لئے باقی رہ گئی ہیں! یا تو اس ادارہ کو قائم کریں یا کم از کم اس کو قائم کرنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں۔

(و) اگر مسلمان ان میں سے کوئی بات نہ کریں تو وہ اس فرضِ رسالت کو ادا نہ کرنے کے مجرم ہوں گے جو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ان کے سپرد کیا گیا ہے اور صرف اپنی ہی غلط کاریوں کا وبال اپنے سر نہ لیں گے، بلکہ خلق کی گمراہی کا وبال بھی ان کے سر آئے گا۔" (صفحات ۴۶-۴۷)

الغرض، مولانا اصلاحی کا موقف پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے؟ یہ ع "اک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا!" اور ہمیں یہ باتیں لکھتے ہوئے اگرچہ قلبی اذیت محسوس ہو رہی ہے تاہم یہ سب کچھ لکھ اس لئے دیا ہے کہ ابھی ماشاء اللہ مولانا اصلاحی بقیدِ حیات ہیں اور بحمد اللہ سوائے ایک حادثۂ سماعت کے ان کے جملہ ذہنی قویٰ سلامت ہی نہیں پوری طرح چاق و چوبند ہیں، لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ مولانا محمد منظور نعمانی کی طرح مولانا بھی وضاحت کے ساتھ لکھ دیں کہ وہ جن تصوّرات کے تحت جماعت میں شامل ہوئے تھے اُن میں سے کن کن سے نظری و فکری طور پر رجوع کر چکے ہیں اور کن کن پر علمی اور ذہنی طور پر قائم ہیں، خواہ کسی سبب سے عملاً کاربند نہ ہوں تاکہ مستقبل کے مؤرخ کو بھی صحیح فیصلہ کرنے میں مدد ملے اور آئندہ نسلوں کو بھی رہنمائی کا سامان حاصل ہو!!

مولانا مودودی مرحوم نے جو تقریر اولاً ماچھی گوٹھ میں "مجلس نمائندگان" کے سامنے اور بعد میں کوٹ شیر سنگھ میں مجلسِ شوریٰ کے اجلاس میں کی تھی اس کے مرکزی خیال یعنی ایک انقلابی جماعت میں قائد اور امیر کی حیثیت کے ضمن میں اُن

کی رائے سے ہم اپنا کامل اتفاق ظاہر کر چکے ہیں ------ لیکن اس مرکزی خیال کے دائیں اور بائیں اس میں دو باتیں ایسی بھی ہیں جن سے ہمیں نہ صرف یہ کہ شدید اختلاف ہے' بلکہ فتنہ کی بُو بھی آتی ہے۔ لیکن اس وقت اُن پر مفصّل بحث نہیں کی جا سکتی صرف اجمالی اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

اُن میں سے ایک کا تعلّق جماعت میں اختلافِ رائے کے حق اور اظہارِ رائے کی آزادی سے ہے جس کی پر زور نفی مولانا نے اپنے مخصوص طرزِ نگارش اور خطابی انداز کو بھرپور طور پر بروئے کار لا کر اس طرح کی ہے کہ ایک عام قاری یا سامع فوری طور پر متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن اگر ذرا بنظرِ غائر دیکھا جائے تو اس سے عقل اور نقل دونوں کے تقاضے بری طرح پامال ہوتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ یہ فہمِ عام (Common Sense) اور فطرتِ انسانی کے بھی خلاف ہے' اور قرآن و سنّت کے اُن نصوص کے بھی منافی ہے جن میں مشاورتِ باہمی کی پُر زور تاکید کی گئی ہے۔

اور دوسرا معاملہ قائد اور امیر کی شخصیت کو ع "پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند!" کے مصداق اور مولانا کے اپنے الفاظ کے مطابق 'خود بنانے اور دوسروں سے بنوانے' کا ہے تاکہ اُس کی عظمت کا نقش قلوب و اذہان پر قائم ہو جائے اور اس کی گہری محبت اور عقیدت دلوں میں رچ بس جائے ------ اور اس سلسلے میں مولانا جب تحریک کی کامیابی کی شرائط کے ضمن میں "ایک شخصیت کے جادو" کی اہمیت کو نمایاں کرنے کے ساتھ ساتھ "اس جادو کو فروغ دینے" کا بھی ذکر کرتے ہیں ------ تو اس سے شخصیت پرستی کے فتنے کے لئے نہ صرف یہ کہ دروازہ چوپٹ کھُل جاتا ہے بلکہ اس کے جواز کا ایک پورا فلسفہ بھی سامنے آ جاتا ہے!

------ یہ فلسفہ مولانا کے بعض دوسرے قریبی رفقاء (بالخصوص جناب نعیم صدّیقی) کے ذریعے تو بہت پہلے سے فروغ پا رہا تھا' چنانچہ 'نقضِ غزل' کے اب سے تیئس[۲۳] سال قبل کے تحریر کردہ حصّے میں اس پر مفصّل کلام موجود ہے (ملاحظہ فرمائیں 'میثاق' جنوری ۹۰ء صفحات ۶۶ تا ۶۸) تاہم خود مولانا کے اپنے الفاظ میں اس کی پر زور وکالت اسی تقریر یا تحریر کے ذریعے سامنے آئی ہے۔

بہر حال ہمارے نزدیک مولانا کے فلسفۂ تحریک کے یہ دو پہلو قائدِ تحریک کے اختیارات کے بارے میں اُن کی رائے کے ساتھ شامل ہو کر ایک بالکل فاشسٹ جماعت کا نقشہ سامنے لاتے ہیں اور اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے بارے میں اُن کے بعض ناقدین اور معاندین کا یہ الزام بھی بے بنیاد نہ تھا کہ اُن کا مزاج فسطائی ہے' اور یہ اطلاع بھی غلط نہ تھی کہ انہوں نے خیری برادران سے بھرپور تأثر قبول کیا تھا جن کے ذہن اور فکر کی ساری اٹھان نازی جرمنی میں ہوئی تھی!

بہر حال ہم مولانا کے فلسفۂ تحریک کے ان دونوں پہلوؤں سے کامل براءت کے ساتھ ساتھ اپنے اس یقینِ کامل کا اظہار کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام کا عطا کردہ نظامِ بیعت متذکرہ بالا دونوں لعنتوں کے بغیر تحریک کے جملہ تقاضے بہ احسنِ وجوہ پورا کر سکتا ہے اور اس میں مشاورتِ باہمی کی روح کو بھی بہ تمام و کمال سمویا جا سکتا ہے اور اختلافِ رائے کے حق اور اظہارِ رائے کی آزادی پر بھی کسی قدغن کی ضرورت نہیں ہوتی ------ چنانچہ بحمد اللہ تنظیمِ اسلامی کی صورت میں ہمارا یہ یقین و اذعان ایک واقعی تجربے کی صورت میں سامنے آ رہا ہے اور ہم اس پر صدقِ دل سے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہ:

"اَلحَمدُ لِلّٰہِ الَّذِی هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا کُنَّا لِنَهتَدِیَ لَو لَا اَن هَدَانَا اللہ"

آئندہ کے لئے دعا کرتے ہیں:

"رَبَّنَا لَا تُزِغ قُلُوبَنَا بَعدَ اِذ هَدَیتَنَا وَهَب لَنَا مِن لَّدُنکَ رَحمَةً اِنَّکَ اَنتَ الوَهَّاب؟"

اٰمین یَا رَبَّ العَالَمِینَ !!

اجتماعِ ماچھی گوٹھ کے پسِ منظر میں

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا امین احسن اصلاحی کی تاریخی خط و کتابت

ہفت روزہ ندا میں

۷ مارچ اور ۱۴ مارچ ۱۹۸۸ء کے دو شماروں میں شائع ہوئی تھی یہ دونوں شمارے محدود تعداد میں دفتر میں موجود ہیں۔ درج ذیل پتے سے طلب کیجئے۔ (دونوں شماروں کی مشترکہ قیمت -/۱۰ روپے ہے)

دفتر ہفت روزہ 'ندا'۔ ۱۲۔ افغانی روڈ، سمن آباد۔ لاہور

رمضان المبارک کے دوران
حرمِ مکّی سے پُورے ماہ نمازِ تراویح ٹیلی کاسٹ
کرنے کے ضمن میں حکومت کے ارباب حلّ وعقد سے ایک اہم گزارش

مارچ ۱۹۹۰ء کے اواخر (۲۸ یا ۲۹ مارچ) سے پاکستان میں ماہ رمضان المبارک کی آمد ہونے والی ہے - اس بابرکت و پُر عظمت مہینے کی فضیلت ہر مسلمان پر عیاں ہے - خاص طور پر ماہ رمضان المبارک کا قرآن حکیم سے جو خصوصی تعلق ہے اس کے متعلق قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالےٰ ہے :

" رمضان کا مہینہ وہ (ماہ مبارک) ہے جس میں قرآن نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت کی کھلی کھلی نشانیاں ہیں اور جو حق و باطل کو الگ الگ کرنے والا ہے " (البقرہ آیت نمبر ۸۵)

رمضان المبارک کے مہینے میں صلوٰۃ التراویح کا خصوصی اہتمام بھی اس لئے کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن حکیم سے تعلق مضبوط کیا جائے - پچھلے دس پندرہ سالوں سے پاکستان ٹیلی ویژن اور ریڈیو پاکستان رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ملک میں ہونے والے اکثر شبینوں کو ٹیلی کاسٹ اور نشر کرتا ہے - نیز ستائیسویں شب (لیلتہ القدر) کو خانہ کعبہ سے براہ راست ٹیلی کاسٹ کر کے ختم قرآن مجید اور اس کے ساتھ ہونے والی دعا بھی قومی رابطہ پر پورے پاکستان میں دکھائی جاتی ہے -

ہماری گزارش ہے کہ پورے رمضان المبارک میں ہر شب کو خانہ کعبہ میں ہونے والی صلوٰۃ التراویح پاکستان ٹیلی ویژن سے قومی رابطہ پر پاکستان بھر میں ٹیلی کاسٹ کرنے کا انتظام کیا جائے - سعودی عرب اور پاکستان کے ٹائم میں دو گھنٹے کا فرق ہے - بیت اللہ شریف میں صلوٰۃ التراویح ساڑھے آٹھ بجے شب کو شروع ہوتی ہے ' پاکستان میں اس وقت رات کے ساڑھے دس کا وقت ہوتا ہے - لہٰذا اس انتظام

سے پاکستان ٹیلی ویژن کے کسی پروگرام میں خلل واقع نہیں ہو گا البتہ اس سے کئی فائدے حاصل ہوں گے - مثلاً:-

۱- ہماری آبادی کی اکثریت قرآن مجید سے واجبی سا تعلق رکھتی ہے - خانہ کعبہ سے اس ایک مہینے کی مسلسل ٹیلی کاسٹ اور براڈ کاسٹ سے لوگوں کا قرآن کریم سے تعلق مضبوط ہو گا-

۲- صلوٰۃ التراویح میں ۹۹ فی صد مرد حضرات شریک ہوتے ہیں' خواتین قرآنِ حکیم کی ایمان افروز سماعت سے محروم رہ جاتی ہیں - یہی کیفیت پیرانہ سال اور مریض حضرات کی ہوتی ہے - اس انتظام سے یہ محروم لوگ بھی قرآن حکیم کی سماعت سے مستفیض ہو سکیں گے -

۳- رمضان المبارک میں دن کا روزہ اور رات کی عبادت اس کی اصل روح ہے - لہٰذا رات کی عبادت میں حرم شریف سے قرآن حکیم کو سننے سے اس کے ساتھ قلبی تعلق بڑھے گا' اس کا صحیح تلفظ ادا کرنے میں سہولت ہو گی اور اس کی تلاوت میں آسانی پیدا ہو گی - پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ قرآن حکیم کا پیغام گھر گھر پہنچے گا اور قراءت و تلاوت گھر گھر گونجے گی -

۴- سعودی عرب میں پورے رمضان میں حرمین شریف میں ہونے والی صلوٰۃ التراویح Live-Telecast کی جاتی ہے لہٰذا حکومتِ سعودی عرب سے معاملات بہ آسانی طے کئے جا سکتے ہیں -

حکومت پاکستان کے اربابِ حل و عقد سے مخلصانہ گزارش ہے کہ اس تجویز کو روبعمل لانے کے لئے جلد از جلد مناسب اقدامات کریں اور رمضان المبارک کی تمام راتوں کو صلوٰۃ التراویح کو حرم شریف سے ٹیلی کاسٹ اور براڈ کاسٹ کرنے کا انتظام کریں تاکہ ہر گھر رمضان المبارک کی نورانی راتوں میں قرآن حکیم کی ملکوتی آواز سے گونجتا رہے .... یقیناً یہ بندوبست حکومتِ وقت کی نیک نامی کا بھی باعث ہو گا-

زین العابدین جوّاد

صدر انجمن خدّام القرآن سندھ (رجسٹرڈ) کراچی

زائرین حرمین الشریفین کے لیے ایک نہایت مفید تحفہ

بیتُ اللہ شریف میں رمضانُ المبارک کے دَوران نمازِ وتر میں پڑھی جانے والی دعائے قنوت

بعنوان

مناجاتِ حرم

ترتیب و ترجمہ، ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نورؔ

جیبی سائز میں نہایت اعلیٰ طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ : قیمت ۱۲ روپے

ملنے کے پتے

۱۔ مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن۔ ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن۔ لاہور

۲۔ اسلامی اکادمی، اُردو بازار۔ لاہور

۳۔ ڈاکٹر محمد نذیر مسلم، بانو بازار، رحیم یار خاں

۴۔ ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور، ص۔ب ۲۰۳۰۔ الدوادی ۱۱۹۱۱ (الریاض) سعودی عرب

مقامی خواتین و حضرات اکیڈمی میں آکر بھی باقاعدہ تربیت حاصل کر سکتے ہیں

مستقبل خواہشات سے نہیں عملی جدوجہد سے بنتا ہے

کورس بیرونِ ملک بھی بھیجا جاتا ہے

بذریعہ ڈاک کورس کیلئے جوابی لفافہ آنا ضروری ہے

خوش نویسی سیکھیں

داخلے جاری ہیں

کورس کی تکمیل کے بعد کم از کم دو ہزار روپے ماہانہ کی ملازمت ادارہ فراہم کرتا ہے

ہمارے ادارے سے گزشتہ تین سال میں فارغ التحصیل ہونے والے سیکڑوں برسرِروزگار خواتین و حضرات ہماری کارکردگی کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ یہ ہنر روزگار کے متلاشی نوجوانوں یا پارٹ ٹائم جاب کے خواہش مند حضرات کے علاوہ ذاتی اخراجات کے خود ذمے دار طلبا و طالبات اور ایسی خواتین کے لیے از حد موزوں ہے جو ضرورت مند تو ہیں لیکن کسی دفتر یا کارخانے میں جاکر کام نہیں کر سکتیں۔ ایسی خواتین کے لیے ہم کورس کے بعد گھر پر کام فراہم کرتے ہیں

قصرِ خوش نویس اکیڈمی دشتیار سینٹر سیکنڈ فلور مقابل پی آئی اے پلانیٹیریم یونیورسٹی روڈ گلشن اقبال

Intermarkets Pakistan

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER,
OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

INA PRODUCTS

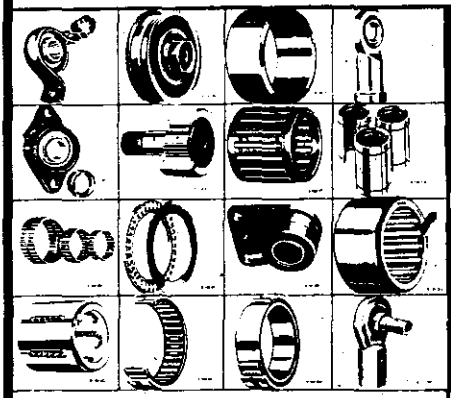

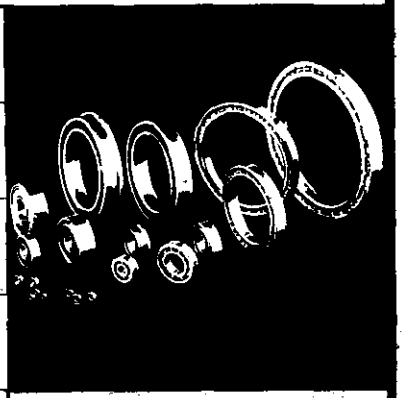

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

DISTRIBUTOR

RCD KBC EZO

STOCKIST

TR NACHI Koyo NSK INA SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

نام بھی اچھّا — کام بھی اچھّا
صُوفی سوپ ہے سب سے اچھّا

صُوفی سوپ

اُجلی اور کم خرچ دُھلائی کے لیے بہترین صابن

صُوفی سوپ اینڈ کیمیکل انڈسٹریز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
تار: صُوفی سوپ ٹیلکس:
۳۹۔ فلیمنگ روڈ، لاہور۔ ٹیلی فون نمبر: ۲۲۵۴۴۷ - ۵۴۵۲۳

صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان وصدر سواد اعظم اہل سنّت پاکستان
بانی ومہتمم جامعہ فاروقیہ کراچی حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان مدظلہم
کی زیر سرپرستی شائع ہونیوالا "الفاروق" عام فہم دلچسپ اسلامی ادب کا نمائندہ ہے

تین مختلف زبانوں (عربی، اردو، انگریزی) میں معیاری اسلامی صحافت ہر درجہ معاشرتی رسائل کی مخرب اخلاق تحریروں سے دور اور عام دینی رسائل کی خشک مزاجی سے ہٹ کر۔
الفاروق ایک مکمل مذہبی معاشرتی جریدہ ہے۔ الفاروق میں ہر ماہ ـــــ دینی موضوعات پر اہم تحریروں کے علاوہ

- حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کی بے لاگ اور فکر انگیز ـــــ صدائے حق
- عالم اسلام کیا سوچ رہا ہے؟ ـــــ پیوستہ رہ شجر سے
- مسلم اقلیتیں کس حال میں ہیں؟ ـــــ مسلم ہیں ہم
- جدید تہذیب خود کو کیسے بھگت رہی ہے؟ ـــــ پورب پچھم اتر دکھن
- تاریخ ہمیں کیا سبق دے رہی ہے۔؟ ـــــ ایک دفعہ کا ذکر ہے
- کیا سائنس خدا کے وجود کو ثابت کرتی ہے؟ ـــــ مظاہر قدرت
- عوام کے دلوں میں کیا لاوا پک رہا ہے؟ ـــــ ایوان عام
- امت مسلمہ کی بعثت کا مقصد کیا ہے؟ ـــــ صفحہ سبیلی
- افغانستان کے مجاہدین کیا کر رہے ہیں؟ ـــــ میدان جہاد سے

عربی	فی شمارہ ۷/- روپے	زرسالانہ ۳۰/- روپے	نمونے کی کاپیاں مفت طلب فرمائیں
اردو	فی شمارہ ۶/- روپے	زرسالانہ ۶۰/- روپے	
انگریزی	فی شمارہ ۱۳/- روپے	زرسالانہ ۱۵۰/- روپے	

ہر مسلم گھرانے کی ضرورت

ماہنامہ الفاروق کراچی
پوسٹ بکس نمبر ۱۱۰۰۹ شاہ فیصل کالونی نمبر ۴۰ ـــــ کراچی

Jawad

We are manufacturing and exporting ready made gar ments (of all kinds including shirts, trousers, blouses, jackets, uniforms, hospital clothing; kitchen aprons), bedlinen, cotton bags, textile piece goods etc.

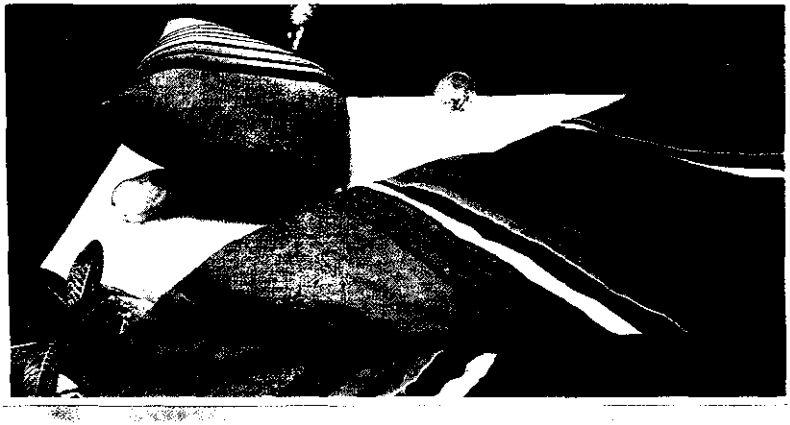

For furtner details write to :

M/s. Associated Industries (Garments) Pakistan (Private) Ltd.,
IV 'C/3-A (Commercial Area),
Nazimabad,
Karachi - 18
Tele : 610220/616018/625594

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd. L. No. 7360
VOL. 39 No. 3
MARCH 1990